وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ

تاریخ الامت

حصہ دوم

خلافت راشدہ

مصنفہ

مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری

اُستاد تاریخ اسلام جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

بار ششم ۱۰۰۰ — مکتبہ جامعہ دہلی — قیمت

تاریخ الامت

حصہ دوم

خلافت راشدہ

مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری استاد تاریخ اسلام
جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی

طبع ششم ۱۰۰۰ قیمت [illegible]

سنہ ۱۹۵۱ء

مطبوعہ نعمانی پریس دہلی

فہرست مضامین تاریخ الامت حصہ دوم

تاریخ الامّت

حصّۂ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلافت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امت کے متعلق دو قسم کے فرائض تھے۔

(۱) رسالت کے فرائض۔ یعنی احکام الٰہی کی تبلیغ۔ جس کیلئے آپ من جانب اللہ مامور تھے۔

(۲) امامت کے فرائض۔ یعنی نظام ملت کی شیرازہ بندی۔ امت کے تنازعات کا فیصلہ۔ جنگ اور صلح میں اس کی قائم مقامی وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ مہبط وحی اور ہادی شرع کے ہوتے ہوئے دوسرا کون امام ہو سکتا تھا۔

ان دونوں فرائض میں سے پہلا فرض آپ کی وفات کے ساتھ ختم ہو گیا۔ کیونکہ نبوت کا دروازہ بند ہو جانے کے بعد کسی کو یہ حق نہیں رہا کہ شرع میں ایک ذرہ بھی اضافہ کر سکے بجز اسکے کہ انہیں اصول اور قواعد سے جو شریعت کے ہیں مسائل کا استنباط کرے۔ یہ کام علماء اور فقہاء امت کے حصّہ میں آیا۔ اس کا نام اگر ہم خلافت تشریعی رکھیں تو بے جا نہ ہوگا۔

دوسرا فرض یعنی انتظام و تدبیر مہمات ملی بدستور قائم رہا۔ تمدنی حیثیت سے امت کیلئے

اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ آنحضرتؐ کے بجائے کسی کو اپنا مرکز قرار دے کہ وہ اس فرض کو ادا کرے۔

یہ مسئلہ خلافت شروع سے لیکر آج تک امت میں جتنا معرکۃ الآرا و مختلف فیہ رہا ہے اتنا کوئی دوسرا مسئلہ نہیں رہا لہٰذا مختصراً اس کی تاریخ بیان کر دینا ضروری ہے۔

تمام بحثوں اور اختلافوں کا دارومدار صرف دو باتوں پر ہے۔

(۱) خلیفہ کس خاندان سے ہو۔ ؟

(۲) خلیفہ کے انتخاب کی شکل کیا ہو۔ ؟

خاندانِ خلافت

قرآن مجید میں مطلقاً اس کا ذکر نہیں کہ خلیفہ کس خاندان اور قبیلہ سے ہو لیکن حدیث میں یہ روایت ہے کہ

اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ — امام قریش میں سے ہوں گے

اسی کے ساتھ یہ بھی مروی ہے کہ تمہارے اوپر اگر کوئی ادنیٰ حبشی غلام بھی حکمراں ہو جائے تو تم اس کی فرماں برداری کرو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی دفن بھی نہیں ہوئے تھے کہ صحابہ میں دو مختلف الخیال جماعتیں نظر آنے لگیں۔

(۱) خلافت کسی قبیلہ سے مخصوص نہیں ہے۔

(۲) قریش کے ساتھ مخصوص ہے یعنی اس کے جتنے قبائل ہیں ہر ایک میں سے خلیفہ ہو سکتا ہے۔

اس دوسرے خیال کے گروہ میں بعض لوگ قریشی ہونے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت قریبہ رکھنے والے کو مرجح سمجھتے تھے۔

آنحضرتؐ کی وفات کے وقت نسباً آپ کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار حضرت عباسؓ تھے۔ ان کے بعد ابو طالب کے دونوں بیٹے یعنی حضرت علی اور عقیل رضی اللہ عنہما۔

ان میں سے حضرت علی کو یہ امتیاز تھا کہ وہ سابقین اولین میں سے تھے اور تمام غزوات

میں آنحضرتؐ کے ساتھ شریک رہے نیز حضرت فاطمہ زہرا ریحانۂ رسول انکی زوجیت میں تھیں اور حضرت عباسؓ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ اگر حق وراثت ہوتا تو وہی آنحضرتؐ کے عصبہ ہو سکتے تھے۔

پہلا خیال یعنی عدم تخصیص کی رائے انصار کی تھی جو چاہتے تھے کہ خود اپنے ہی قبائل میں سے کسی کو آنحضرتؐ کا قائم مقام منتخب کریں۔ وہ کہتے تھے کہ ہم نے اسلام کی خدمت کی۔ مہاجرین کو اپنے گھروں میں پناہ دی اور آنحضرتؐ کی ابتداء میں جان ومال واولاد کو بے دریغ صرف کیا لہٰذا ہمارا حق ہے کہ ہم میں سے خلیفہ ہو۔

دوسرا خیال یعنی خلافت کی تخصیص قریش کے ساتھ جمہور کا تھا۔ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے "الائمۃ من قریش" مجمع عام میں فرمایا جس کے سامنے سب کی گردنیں جھک گئیں۔

قرابت قریبہ کی تخصیص حضرت علیؓ اور ان کے طرفداروں کی رائے تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اپنے حق کو غالب سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے خود جب اپنی بیعت کے متعلق حضرت ابوبکرؓ سے گفتگو کی تو اس خیال کو ظاہر بھی کیا۔ لیکن چونکہ اس وقت باتفاق صحابہ حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب عمل میں آگیا تھا اس لئے جمہور کی مخالفت نہیں کی۔

یہ رائے اگرچہ اس وقت تو دب گئی لیکن حضرت عثمانؓ کے عہد میں پھر ابھر آئی۔ جابجا اسلامی مرکزوں میں اس کے محرک پیدا ہو گئے۔ جن کا سرغنہ عبداللہ بن سبا تھا۔ انھوں نے عوام کو برانگیختہ کرنا شروع کیا کہ یہ کہاں سے روا ہے کہ رسالتمآب کا قریبی رشتہ دار محروم رہے اور دوسرے لوگ خلیفہ بنائے جائیں۔

اس تحریک کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کو اطراف ودیار سے اس خیال کے لوگوں نے جمع ہو کر مدینہ میں قتل کر ڈالا۔ اور حضرت علی کو خلیفہ بنا دیا۔

لیکن ان کو سخت دشواری کا سامنا ہوا کیونکہ امت کا تقریباً نصف حصہ جو اس تحریک کے اثر سے پاک تھا ملک شام سے آکر ان کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہو گیا۔ بہت قتل وخونریزی کے بعد آخر پھر عدم تخصیص قرابت کی رائے غالب آئی اور امیر معاویہ بن ابی سفیان جو بنی ہاشم سے

بھی نہ تھے خلیفہ ہو گئے۔

گو قوت اور سیاست کے زور سے خلافت بنی امیہ کے ہاتھ میں آ گئی۔ اور تخصیص قرابت کی تحریک بظاہر دب گئی لیکن اس جماعت کے لوگوں کے دلوں میں یہ مادہ اس طرح اندر ہی اندر جوش مارتا رہا کہ آئندہ جب کبھی کوئی برق امید چمکی تو بھڑک اٹھا۔

حضرت علی کی اولاد سمجھتی تھی کہ خلافت ہمارا حق ہے جو کوئی اس کو ہم سے چھینے وہ ظالم اور غاصب ہے اور ان کے شیعہ اس آرزو میں رہتے تھے کہ وہ کسی طرح اپنے اس حق کو پا جائیں اس لئے یکے بعد دیگرے ان کو خلفاء وقت کے مقابلہ کے لئے اٹھاتے رہتے تھے۔ اور نتیجہ سوائے قتل، عذاب اور تباہی و بربادی کے اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔

مگر اس سختی سے ان کے دلوں میں کینہ کا جوش اور بھڑکتا تھا۔ وہ ان مظالم کو بیان کر کر کے لوگوں کو بنی امیہ کے خلاف برانگیختہ کرتے تھے۔ انہوں نے زیادہ تر واقعہ کربلا سے اس میں مدد لی۔ درد انگیز اشعار میں امام حسین اور ان کے قافلہ کی مصیبت، پیاس کی تکلیف اور شدت۔ اہل بیت کی گرفتاری کا حال لوگوں کو سنا سنا کر ان کے دلوں میں رقت پیدا کرتے تھے کہ لوگ بنی امیہ سے متنفر ہو کر اس کوشش میں ان کا ساتھ دیں تاکہ خلافت ان لوگوں کو دلائی جا سکے جو اس کے مستحق ہیں۔

ادھر بنی عباس بھی اپنے کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے۔ لیکن حضرت علی کی اولاد کے مقابلہ میں ان کو کون خاطر میں لا سکتا تھا۔

جس وقت ابو ہاشم بن محمد بن علی نے وفات پائی اور اپنا کوئی جانشین نہیں چھوڑا اس وقت بنی عباس نے کہا کہ وہ محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو اپنا جانشین بنا گئے ہیں۔ اس بنا پر شیعہ کے ایک فرقہ کیسانیہ نے بنی عباس کا ساتھ دے دیا۔ اب بنی عباس نے یہ دعویٰ بھی کرنا شروع کیا کہ حضرت عباس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ انکی موجودگی میں حضرت علی کو جو چچا کے بیٹے تھے حق وراثت نہیں پہنچ سکتا۔

بنی عباس نے اس تحریک کو نہایت ہوشیاری کے ساتھ امت میں پھیلانا شروع کیا ان کے خاص دعاۃ تھے جو بڑی مہارت کے ساتھ مخفی طور پر لوگوں سے بیعت لیتے پھرتے تھے۔ آخر میں سب سے بڑھ کر ان کو ابو مسلم خراسانی مل گیا جس نے بنی امیہ کے تخت خلافت کو الٹ کر عباسی خلافت قائم کردی۔

عباسیوں کے عہد میں حضرت علی کی اولاد پر اس سے بھی زیادہ مصیبت آئی جس قدر ان کے مخالفین بنی امیہ کے عہد میں تھی۔ ان کے درباروں میں کسی شخص کے اوپر اس تہمت کا لگ جانا کہ وہ اہل بیت کے کسی فرد کی طرف میلان رکھتا ہے اس کے اتلاف نفس اور ضبطی جائداد کے لئے کافی ہوتا تھا۔ خاص کر منصور، ہارون اور متوکل کے عہد میں چنانچہ بعض بعض امراء وزراء اور علماء کے ساتھ عملاً یہی وقوع میں آیا۔

لیکن یہ تمام سختیاں شیعہ کے اس خیال کو مٹا نہ سکیں کہ صرف ائمہ اہل بیت ہی خلافت کے حقدار ہیں اور اس وقت عنان خلافت جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے یہ ظالم اور غاصب ہیں۔ چنانچہ بنی امیہ کی طرح وقتاً فوقتاً بنی عباس کے مقابلہ میں بھی انہیں سے لوگ اٹھتے رہے اور نتیجہ وہی تباہی اور بربادی ہوتا تھا۔

اس تشدد اور مصیبت میں اہل بیت کے بعض افراد کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ دور دست ممالک میں نکل جائیں تاکہ عباسیوں کے دسترس سے باہر رہ کر ان کے قابو میں نہ آسکیں۔ چنانچہ پہلے ان کے دعاۃ اور پھر وہ خود افریقہ میں چلے گئے اور وہاں انہوں نے ادریسی سلطنت اور پھر فاطمی خلافت قائم کی۔

دعویداران خلافت کی اس باہمی کش مکش سے نظام ملت کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور بجائے اس کے کہ تمام امت کی ایک خلافت ہوتی ایک ہی زمانہ میں تین خلافتیں قائم ہوگئیں جو ایک دوسرے کی حریف تھیں۔

(۱) بغداد کی خلافت عباسیہ

(۳) قاہرہ کی خلافت فاطمیہ

(۴) اندلس کی خلافت اُموّیہ

گو افریقہ میں فاطمی خلافت قائم ہو جانے کے بعد حضرت علی کی اولاد جو مشرق میں رہ گئی تھی، خاموش ہو گئی اور ان میں سے کوئی خلفاء عباسیہ کے مقابلہ کیلئے نہیں اٹھا۔ لیکن اندرونی طور پر وہ اور اُنکے شیعہ اس خلافت کے اسی طرح مخالف رہے جیسے پہلے تھے چنانچہ آخر میں جہاں عباسی خلافت کی تباہی کے بہت سے اسباب ہوئے وہاں ایک سبب یہ بھی ہوا کہ خلیفہ معتصم باللہ کے وزیر ابن علقمی نے جو ایک غالی شیعہ تھا ہلاکو کو بغداد میں بلایا۔ اور اس کے آنے میں مدد دی۔

خلافتِ بغداد کی تباہی کے بعد ایک شخص سیّد احمد جو اپنے آپ کو عباسی کہتا تھا بھاگ کر مصر چلا گیا۔ وہاں فاطمیوں کی خلافت مٹ چکی تھی۔ سلطان مصر الظاہر بائبرس بندقداری نے اسی کو خلیفہ بنا کر اپنے لئے اس سے حکومت کا عہد لے لیا۔

ایک مدت تک مصر میں انھیں بقایائے بنی عباس میں سے وظیفہ خوار خلفاء ہوتے رہے جن کا عزل و نصب خود وہاں کے فرماں رواؤں کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔

۹۲۳ھ میں جب سلطان سلیم نے مصر پر قبضہ کیا تو وہاں کی حکومت کیساتھ خلافت بھی عثمانیوں کے ہاتھ میں آگئی۔

شکلِ انتخاب

قرآن مجید میں خلیفہ کے انتخاب کی کوئی شکل صریحی طور پر نہیں بتائی گئی ہے۔ بعض عام احکام ہیں جو خلافت اور غیر خلافت دونوں کو شامل ہیں۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ــ باہمی شورہ سے اپنا کام کرتے ہیں

حدیثوں میں بھی اس کا کوئی طریقہ نہیں بتایا گیا۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے اس کا نظام خود امت پر چھوڑ دیا ہے کہ زمانہ اور ضرورت کے لحاظ سے اپنے لئے جو طریقہ مناسب سمجھے اس کے مطابق عملدرآمد کرے ورنہ نماز

اور وضو وغیرہ دیگر مسائل کی طرح اس کی بھی تصریح کر دی ہوتی۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ امت نے اس مسئلۂ انتخاب میں کیا رویہ اختیار کیا۔

(۱) پہلا طریقہ انتخاب کا وہ تھا جو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے موقع پر پیش آیا کہ رؤسائے امت سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور بحثوں اور تقریروں کے بعد ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی لیکن یہاں صورت یہ تھی کہ سوائے سعد بن عبادہ کے جو رئیس الانصار تھے قریش میں سے کوئی خلافت کا دعویدار نہ تھا اور حضرت ابوبکر کی ذات صحابہ میں اس قدر ممتاز تھی کہ ان کی تفضیل کے سب لوگ معترف تھے۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ انہوں نے فرمایا کہ تم لوگ عمر بن خطاب یا ابوعبیدہؓ دونوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لو لیکن خود حضرت عمرؓ اور ان کے بعد اور سب لوگوں نے انھیں کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(۲) دوسرا طریقہ حضرت عمرؓ کے انتخاب کا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں سے مشورہ لیکر ان کی ولی عہدی کا فرمان لکھوا دیا۔

(۳) تیسرا طریقہ وہ تھا جو حضرت عثمانؓ کے انتخاب کے موقع پر عمل میں آیا یعنی جب حضرت عمر کو اپنی موت کا احساس ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ اگر امت کو بلا خلیفہ کے چھوڑ جاتا ہوں تو ممکن ہے کہ اس میں اختلاف پیدا ہو جائے۔ اس لئے چاہا کہ کسی کو اپنا قائم مقام مقرر کر دیں مگر ان کی نگاہ میں کوئی ایسا شخص نہ تھا کہ اسکو خلیفہ بنا کر ان کا دل مطمئن ہو جائے۔ اور وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ زندگی کی طرح موت کے بعد بھی امور امت کی ذمہ داری اپنے سر لیں اس لئے بڑے بڑے چھ صحابہ کو جو ان کی رائے میں خلافت کے مستحق تھے نامزد کیا اور یہ حکم دیا کہ میری موت کے بعد یہ لوگ جمع ہو کر تین دن کے اندر اندر خود اپنے میں سے کسی کو خلیفہ بنا لیں۔

اس انتخاب سے غرض یہ تھی کہ جو لوگ خلافت کے دعویدار ہو سکتے ہیں وہ سب ایک رائے پر متفق ہو جائیں تاکہ امت میں نزاع نہ پیدا ہو۔

ان تینوں طریقوں میں سے پہلے طریقہ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حق انتخاب کن لوگوں کو

حاصل ہے۔ ساری امت کو یا مخصوص افراد کو پھر وہ مخصوص افراد کون لوگ ہیں؟ عمال سلطنت امراء لشکر یا وہ ساری امت؟ اس لئے خلافت کے دعویدار کو تاویل کا بہت موقع مل سکتا ہے۔

دوسرے طریقہ میں اس بات کی ضمانت نہیں ہے کہ خلیفہ ایسے ہی شخص کو منتخب کرے جو واقعی خلافت کے قابل ہو کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کی طرح ہر ایک خلیفہ کو ولیعہدی کیلئے عمرؓ تو نہیں مل سکتے۔

تیسرا طریقہ بھی تقریباً دوسرے ہی طریقہ کی طرح ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے میں ایک شخص معین ہے۔ دوسرے میں چند محدود افراد میں سے ایک شخص غیر معین۔

چنانچہ جب حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو اختلاف رونما ہوا۔ ان کے نزدیک اہل مدینہ کی بیعت ان کی خلافت کے انعقاد کے لئے کافی تھی لیکن امیر معاویہ نے اسکو تسلیم نہیں کیا وہ تمام امت خاصکر اعیان قریش و امراء لشکر و الیان صوبجات کی شرکت اسمیں ضروری سمجھتے تھے۔

آخر کار دونوں قوتیں صفین کے میدان میں آکر ٹکرائیں اور جب لڑائی نے فریقین کو خستہ کر دیا تو ہر ایک نے اپنی اپنی طرف سے ایک ایک ثالث مقرر کیا کہ وہ اس معاملہ کا تصفیہ قرآن کی رو سے کریں۔

اس کا نتیجہ امت کے حق میں اور برا ہوا۔ کیونکہ اس سے ایک تیسرا گروہ خوارج کا پیدا ہو گیا جو سابقہ دونوں جماعتوں کے برخلاف تھا۔ اس نے علی الاعلان پکارا کہ لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہ اور خود اپنی الگ ایک جماعت بنالی اور اپنے تمام مخالفین کو کفار قرار دیکر ان کی جان و مال کو حلال سمجھنے لگے اور ایک جہاد عام شروع کر دیا۔

چونکہ انہوں نے اپنے لئے خاص اصول اور حدود مقرر نہیں کئے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں بھی باہم مخالفتیں پیدا ہوئیں اور ان کے متعدد فرقے بن گئے۔ امت اپنی پوری قوت کے ساتھ ان کی شورش کے مقابلہ کیلئے تیار ہوئی اور آخر کار بڑی بڑی خونریز جنگوں کے بعد بلا اس کے کہ ان سے اسلام کو کوئی فائدہ پہنچتا یا وہ خود کوئی نفع اٹھاتے تباہ و برباد ہو گئے۔

حضرت علی کے بعد امیر معاویہ خلیفہ ہوئے۔ انہیں سے بنی امیہ کی خلافت شروع ہوئی۔ بنی امیہ نے ولیعہدی کا وہی دستور رکھا جس پر حضرت ابوبکر نے عمل کیا تھا لیکن فرق یہ تھا کہ

انھوں نے حضرت عمرؓ کو اپنا ولیعہد بنایا تھا جو نہ اُن کے ہم قبیلہ تھے اور نہ رشتہ دار۔ اور بنی امیہ اپنے قرابت مندوں اور بیشتر اپنے بیٹوں کو ولی عہد بناتے رہے بلکہ کبھی کبھی ایک کے بجائے یکے بعد دیگرے دو ولی عہد مقرر کردیتے تھے جو اور بھی فساد کا موجب ہوتا تھا۔

اس طرز انتخاب سے خلافت کی جمہوریت مٹ گئی۔ اور وہ بھی ایک قسم کی خاندانی سلطنت ہوگئی۔ بنی امیہ کے بعد بنی عباس میں بھی ولیعہدی کا دستور یہی رہا لیکن معتصم کے بعد سے یہ بھی مفقود ہوگیا۔ کیونکہ خلیفہ اپنے عجمی غلاموں کے ہاتھوں میں اس قدر بے بس ہوتا تھا کہ اکثر تخت خلافت سے قبر کے تختہ کے نیچے پہنچا دیا جاتا تھا اور پھر وہی نام کے اہل حل و عقد جمع ہوکر جس کو چاہتے تھے خلیفہ بنالیتے تھے۔

معتمد کے عہد سے یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ خلیفہ کو ادنیٰ ادنیٰ ضروریات کی چیزیں بھی مشکل سے میسر ہوتی تھیں۔ اور متقی اور مستکفی کے عہد میں جب آل بویہ کا تسلط ہوگیا تو خلیفہ عباسی صرف ایک دینی رئیس رہ گیا اس کی ملکی اور سیاسی حیثیت بجز اس کے کہ خطبوں میں اس کا نام پکارا جاتا تھا باقی نہیں رہی۔ اگر جمہور کا یہ اعتقاد نہ ہوتا کہ خلافت صرف قریش کا حق ہے تو یہ نام کی خلافت بھی بنی عباس کے ہاتھوں میں باقی نہ رہ جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ بغداد کی تباہی کے بعد سلطان مصر نے خود خلافت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ بغداد سے جو شخص بھاگ کر اس کے یہاں گیا تھا اسی کو عباسی خاندان کا ثابت کرکے خلیفہ بنالیا۔ تاکہ خلافت کے سایہ میں اسکی سلطنت کو مذہبی اور مرکزی عظمت حاصل ہو جائے۔

۹۲۳ھ میں فتح مصر کے بعد خلافت عثمانی خاندان میں آگئی اگرچہ آل عثمان میں نظام ولیعہدی یہ ہے کہ خاندان کا بڑا شخص تخت نشین ہو لیکن پھر بھی اکثر تخت نشینی میں شورشیں ہوتی رہی ہیں اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ سلطان جب تخت پر بیٹھا ہے تو اس کا پہلا کام یہ ہوا ہے کہ اپنے بھائیوں کو قتل کرادے تاکہ سلطنت کا کوئی دعویدار باقی نہ رہ جائے۔

شیعہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ امامت صرف حضرت علی کی اولاد کا حق ہے ان

میں سے فرقہ اثنا عشریہ امام کے بڑے بیٹے کو امام قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ان کے یہاں اماموں کی ترتیب اسی طرح پر ہے۔ دوسرے فرقے ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔ لیکن یہاں ہم کو ان اختلافات کا بیان کرنا مدنظر نہیں ہے صرف یہ کہنا ہے کہ یہ جماعت بھی کوئی متفقہ شکل اسکی متعین نہ کر سکی۔

متکلمین نے عہد عباسی میں مسئلہ خلافت و امامت کو عقائد میں داخل کیا۔ اور اس پر بحثیں شروع کیں۔ مدار بحث مندرجہ ذیل امور ہیں۔

(۱) کیا امام کا نصب کرنا امت کا فرض ہے؟ اور پھر یہ روایتاً ہے یا عقلاً یا ہر دو طریق پر

پہلا مذہب جمہور کا ہے دوسرا زیدیہ اور اکثر معتزلہ کا۔ تیسرا بعض معتزلہ کا۔

(۲) یا خود اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ وہ امام کو نصب فرمائے۔

یہ مذہب امامیہ اور اسماعیلیہ کا ہے۔ فرق دونوں میں یہ ہے کہ امامیہ کے یہاں امام کی ضرورت اس لئے ہے کہ قوانین شرع کی حفاظت کرے اور اسماعیلیہ کے عقیدہ میں وہ ذات و صفات الٰہی کا معرف ہوتا ہے۔

(۳) یا امام کی مطلق ضرورت نہیں۔

یہ مذہب خوارج کا ہے لیکن ہشام اور اس کے ہمخیال یہ کہتے ہیں کہ امن کے وقت امام کی ضرورت ہے۔ بے امنی کے زمانہ میں نہیں۔ اور اصم اور اس کے ہم رائے اسکے برعکس فتنہ کے زمانہ میں امام کی ضرورت تسلیم کرتے ہیں امن کی حالت میں اس کا وجود غیر ضروری ہے۔

(۴) امام کے لئے کیا شرائط ہیں۔

بعض شرطوں میں کسی کو اختلاف نہیں۔ لیکن بعض مختلف فیہ ہیں مثلاً جمہور کے نزدیک قرشی ہونا شرط ہے۔ شیعہ کے نزدیک ہاشمی ہونا ضروری ہے اور نیز یہ کہ وہ دین کے کل مسائل کا علم رکھتا ہو۔ اور بعض شیعہ یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اس سے کسی معجزہ کا ظہور ہو۔

(۵) امامت کس چیز سے ثابت ہوتی ہے۔

شیعہ کے نزدیک آنحضرتؐ یا امام موجود کی نص صریح ہونی چاہیئے۔ جمہور کے نزدیک

اہل حل وعقد کا اجماع۔ بعضوں کے نزدیک صرف دو مسلمانوں کا اتفاق کافی ہے۔

(۶) کیا ایک وقت میں کئی امام ہو سکتے ہیں؟

(۷) امام برحق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون ہے۔ حضرت ابوبکرؓ یا حضرت علیؓ؟

(۸) آنحضرتؐ کے بعد سب سے افضل کون ہے؟

(۹) کیا فاضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت جائز ہے؟

یہ بحثیں "مدرسہ" کی بحثیں تھیں جن میں اگرچہ علمی لحاظ سے بعض باتیں لطیف تھیں لیکن عملی حیثیت سے بیکار ثابت ہوئیں۔ کیونکہ ہر ہر فریق نے اس کو اپنے عقائد کا ایک مسئلہ قرار دیا حالانکہ یہ سیاست ملیہ کا مسئلہ تھا جو جمہوری ہے اور فرقہ بندی کی دسترس سے بالاتر۔

۳ قرن صحابہ کا عملدرآمد جو امت کے لئے اصلی نمونہ ہے اس کو دیکھتے ہوئے جو بات نمایاں طور پر نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ خلافت خاندانی نہیں بلکہ جمہوری ہے۔ اور یہ کہ خلیفہ کے انتخاب میں امت کا مشورہ ضروری ہے۔

خلافت راشدہ میں خلفاء اربعہ مختلف خاندان کے تھے۔ اور گو ان کے انتخاب کی شکلیں جداگانہ تھیں لیکن ہر ایک میں شوریٰ جو جمہوریت کی اصل روح ہے موجود تھا۔ اور انکی حکومت کا طریقہ بھی جمہوری تھا۔ اسی خلافت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ صحیح روایت موجود ہے۔

اَلْخِلَافَةُ بَعْدِی ثَلٰثُوْنَ سَنَةً — میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی۔

ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذٰلِكَ — پھر سلطنت ہو جائے گی۔

قبیلۂ قریش کی تخصیص جو حضرت ابوبکرؓ نے بیان کی تھی وہ صرف بطور ایک پیشین گوئی کے تھی۔ چنانچہ انہوں نے خود اس مجمع میں اس تخصیص کا سبب یہ ظاہر کیا کہ انصار میں سے اگر قبیلہ اوس کا کوئی شخص خلیفہ ہو جائے گا تو خزرج رشک کریں گے اور خزرج کا ہو جائے گا تو اوس اور اہل عرب بجز قریش کے اور کسی کی خلافت کو تسلیم نہیں کریں گے۔

اس توجیہہ سے علامہ ابن خلدون نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ خلافت کے لئے قریش کی

تخصیص کا اصلی راز یہی تھا کہ وہ عرب کے تمام قبائل میں محترم اور قوی تر تھے۔ اگر ان میں سے کوئی خلیفہ ہوگا تو بوجہ اس کی عظمت اور اس کے حامیوں کی قوت اور شوکت کے کوئی شخص اس کی مخالفت کی جرأت نہیں کرے گا۔ اسی بنا پر وہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا زمانہ آجائے کہ اس میں قریش کی عظمت اور عصبیت باقی نہ رہے اور وہ اس قدر کمزور ہو جائے کہ اسلام کی حمایت اور اس پر جو حملے ہوں انکی مدافعت نہ کرسکے تو اس زمانہ میں ممکن ہوگا کہ خلافت غیر قریش میں جو طاقت اور شوکت رکھتے ہوں منتقل کردیجائے کیونکہ امور شریعت اسباب اور مصالح پر مبنی ہیں اور ان کا لحاظ رکھنا ہر زمانہ میں ضروری ہے۔

لیکن علامۂ موصوف نے اسلامی جمہوریت کے صحیح مفہوم کو پیش نظر نہیں رکھا حقیقت یہ ہے کہ خلیفۂ اسلام کے لئے کسی قومی اور خاندانی عصبیت کی احتیاج ہی نہیں ہے بلکہ تمام امت اس کی قوم اور اس کی حامی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ غلام بھی تمہارا امیر بنا یا جائے تو اس کی اطاعت کرو۔ خود حضرت عمرؓ سے جب ولیعہد مقرر کرنے کے لئے کہا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ آج اگر ابوحذیفہ کا غلام سالم زندہ ہوتا تو میں اس کو اپنا جانشین بنادیتا حالانکہ غلاموں کا کون ساخاندان ہوتا ہے اور کہاں عصبیت ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فاروق اعظم خلیفہ کا قریشی ہونا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

اسلام نے ہر قسم کے نسبی مفاخر کو مٹادیا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا ہے کہ بزرگی کا مدار نسب پر نہیں بلکہ تقویٰ پر ہے اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ خلافت کی تخصیص کسی ایک قبیلہ سے اسلام جائز رکھے اور جس بت کو وہ توڑنے کے لئے آیا اسی بت کو پھر نصب کرے قریش کی خلافت کی جو روایات ہیں ان میں صرف ان خلفاء کی پیشین گوئی ہے جو قریش میں سے ہونے والے تھے نہ کہ حکم اور خلافت اسلامیہ قطعیً جمہوری ہے۔ کیونکہ کل مسلمانوں کے حقوق برابر ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

سقیفہ بنی ساعدہ

مدینہ کے انصار دو شعبوں میں منقسم تھے اوس اور خزرج۔ ان میں سے خزرج کی تعداد زیادہ تھی ان کے رئیس سعد بن عبادہؓ تھے جن کا مکان مدینہ کے بازار کے قریب تھا اسی کے متصل نشست کے لئے ایک سائبان بنا ہوا تھا جس کو سقیفہ بنی ساعدہ کہتے تھے۔

جب سرور عالم کی وفات کا اعلان ہوا تو رؤساء انصار اسی سقیفہ میں جمع ہوئے وہ چاہتے تھے کہ اپنے قبائل میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کریں ان کا رجحان طبع سعد بن عبادہ کے انتخاب کی طرف تھا۔

حضرت سعد نے اس مجمع میں انصار کی خدمات اسلام بیان کر کے کہا کہ خلافت رسول بجز انصار کے اور کسی کا حق نہیں ہے۔ ان کو چاہیئے کہ اس معاملہ میں کسی کی مخالفت کی پروا نہ کریں۔ مجمع سے آواز آئی کہ تم نے جو کچھ کہا درست اور بجا ہے۔

ایک انصاری نے کہا کہ اگر مہاجرین اس کو نہ مانیں اور کہیں کہ ہم پیغمبر کے ہم قبیلہ اور ہم خاندان ہیں تو ان کو کیا جواب دیا جائے گا۔ اس پر ایک دوسرے انصاری نے کہا کہ اگر وہ تسلیم نہ کریں گے تو ہم کہیں گے کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے ہو اور اس سے کم پر کسی طرح راضی نہ ہوں گے۔ حضرت سعد نے اس کو سن کر کہا کہ یہ پہلی کمزوری ہے۔ یہ لوگ اسی قیل و قال میں تھے کہ یہ خبر مہاجرین کو پہنچی۔ وہ لوگ عجلت کے ساتھ سقیفہ میں آگئے حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ کچھ کہیں لیکن حضرت ابو بکرؓ نے ان کو روک دیا اور خود وقار اور سنجیدگی کے ساتھ کھڑے ہو کر تقریر فرمائی۔ پہلے مہاجرین کی تاریخ اور انکی فضیلت بیان کی۔ اور جو جو مصائب اور تکالیف راہ دین میں ان کو برداشت کرنی پڑیں ان کا ذکر کیا۔ پھر انصار کے مآثر اور خدمات اسلام کو گنایا، اور ان کا ایک ایک کارنامہ پیش کر کے انکی مدح و ثنا کی۔ اس کے

بعد فرمایا کہ:۔

الائمۃ من قریش　　　امام قریش سے ہوں گے

ہم امیر ہوں اور تم وزیر۔ بلا تمہارے مشورہ کے معاملات طے نہیں کئے جائیں گے۔

جب انکی تقریر ختم ہو چکی تو انصار میں سے حباب بن منذر خزرجی کھڑے ہوئے اور کہا کہ:۔

اے جماعت انصار! خلافت کو تم اپنے ہاتھ میں لو۔ سب لوگ تمہاری حمایت میں ہیں۔ کسی کو یہ جرأت نہیں کہ تمہاری مخالفت کر سکے۔ تم اہل ثروت اور جنگ آور ہو تمہاری تعداد اور قوت زیادہ ہے سب کی نگاہیں تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں۔ آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تمہاری رائے کمزور ہو جائے گی اور مقصد میں کامیاب نہ ہو سکو گے۔ اگر مہاجرین کو انکار ہے تو ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک ان میں سے۔

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بھلا ایک ساتھ دو امیر کیونکر ہو سکتے ہیں۔ کچھ اور گفتگو کے بعد حباب پھر کھڑے ہوئے اور انصار کو مخاطب کر کے کہا کہ:۔

ان لوگوں کی باتیں تم ہرگز نہ مانو ورنہ یہ امامت تم سے چھین لیں گے۔

اس پر حضرت عمرؓ اور حباب میں سخت کلامی ہونے لگی حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے کہا:۔

یا معشر الانصار! سب سے پہلے دین اسلام کی نصرت تم نے کی۔ اب اسکی تخریب میں تم کو سبقت کرنی نہیں چاہیئے۔

یہ سن کر بشیر بن سعد انصاری جو خزرج کے قبیلہ بنی زید بن مالک میں سے تھے کھڑے ہوئے اور کہا کہ:۔

اے انصار! ہم نے جو مشرکین سے جہاد کرنے کی فضیلت اور دین میں سبقت حاصل کی وہ نبی کی اطاعت اور رضائے رب کے لئے تھی۔ یہ مناسب نہیں کہ اس کے سبب سے لوگوں پر ہم اپنا حق جتائیں اور متاع دنیا کے خواہاں ہوں۔ ہم کو ان کا اجر دینے والا اللہ تعالیٰ ہے دیکھو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں سے تھے ان کی خلافت کی زیادہ

مستحق خود انکی قوم ہو سکتی ہے اس لئے تم لوگ اللہ کا خوف کرو اور مخالفت سے باز آؤ۔

اس تقریر کے ختم ہونے پر انصار خاموش ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ یہ عمر اور ابو عبیدہؓ موجود ہیں ان میں سے جس کو تم لوگ پسند کرو اس کے ہاتھ پر بیعت کرلو ان دونوں حضرات نے کہا کہ:۔

آپ مہاجرین میں سب سے افضل ہیں۔ غار میں رسول اللہ کے رفیق۔ اور نماز پڑھانے میں ان کے قائم مقام رہے۔ اور نماز وہ شے ہے جو امور دین میں سب سے افضل ہے۔ ایسا کون شخص ہے جو آپ پر مقدم ہو اور آپ کے ہوتے ہوئے خلافت کا متولی بنے۔

یہ کہہ کر حضرت عمرؓ بڑھے اور صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر ابو عبیدہ اور بشیر بن سعد نے جب یہ خبر باہر پہنچی تو لوگ دوڑے اور بیعت کی۔ حضرت علی اور چند دیگر صحابہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے خلافت کی اس بیعت میں شریک نہیں ہوئے۔ حضرت علی نے اس کے بعد بھی چھ مہینہ تک بیعت نہیں کی۔ جب حضرت فاطمہ کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنے مکان پر بلایا اور کہا کہ آپ کی فضیلت اور استحقاق خلافت سے ہم کو انکار نہیں ہے لیکن بوجہ رسول اللہ کی قرابت کے ہم اس کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ کے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک مجھے اپنے قرابت مندوں کی بہ نسبت زیادہ عزیز ہے۔ اس کے بعد حضرت علی نے مسجد میں آکر اُن کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

خطبہ خلافت

سقیفہ بنی ساعدہ کی بیعت کے بعد دوسرے روز مسجد نبوی میں بیعت عامہ ہوئی۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ:۔

لوگو! قسم ہے اللہ کی نہ میں امامت کا کبھی خواہاں تھا نہ اس کی طرف مجھے رغبت تھی اور نہ میں نے کبھی نہاں یا آشکارا اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کی لیکن مجھے خوف ہوا کہ کوئی فتنہ نہ برپا ہو جائے اس لئے اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے تیار ہو گیا۔ ورنہ مجھے امارت میں کوئی راحت نہیں بلکہ یہ ایک ایسا بار مجھ پر ڈالا گیا ہے جس کے برداشت

کی طاقت میں اپنے اندر نہیں پاتا اور بلا امداد الٰہی اس سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ کاش آج میرے بجائے کوئی ایسا شخص ہوتا جو اس بوجھ کے اٹھانے کی مجھ سے زیادہ طاقت رکھتا۔ مجھے تم نے اپنا امیر بنایا حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر اچھا کام کروں تو مجھے مدد دو اور اگر غلطی کروں تو اصلاح کرو۔

تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ اس کا حق دلادوں۔ اور تم میں سے جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ اس سے حق لے لوں جب تک میں اللہ اور رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو۔ اور اگر ان کے خلاف چلوں تو میرا ساتھ چھوڑ دو۔

ترجمۂ ابوبکرؓ

ان کا نام جاہلیت میں عبدالکعبہ تھا اسلام لانے کے بعد آنحضرتؐ نے اس کو بدل کر عبداللہ کردیا صدیق اور عتیق لقب ہیں اور ابوبکر کنیت ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے۔ باپ کا نام ابوقحافہ تھا جو قریش کی شاخ بنی تیم میں سے تھے ان کی والدہ ام الخیر بھی بنی تیم میں سے تھیں۔ یہ دونوں مسلمان ہوئے۔ اور حضرت ابوبکر کی خصوصیت ہے کہ وہ اور ان کے والد ابوقحافہ اور بیٹے عبدالرحمٰن اور پوتے محمد بن عبدالرحمٰن چار پشتیں صحابی ہیں۔

ان کی ولادت آنحضرتؐ کے دو یا ڈھائی سال بعد ہوئی۔ نوجوانی ہی کے زمانہ سے ان کے اخلاق پسندیدہ اور خصائل شریفانہ تھے۔ صاحب دولت تھے۔ غریبوں اور محتاجوں کا بار اٹھاتے تھے۔ اور قریش میں محبوب اور ہر دلعزیز تھے۔

ابتدا ہی سے آنحضرت کے ساتھی اور مصاحب تھے۔ اور جب ان کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی تو سب سے پہلے جس شخص نے اس کو قبول کیا وہ حضرت ابوبکر صدیق تھے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ میں نے جس شخص کے سامنے اسلام کو پیش کیا اس میں اس کی طرف سے کچھ نہ کچھ جھجک ضرور دیکھی بجز ابوبکر کے کہ انھوں نے بلا تردد

اس کو تسلیم کر لیا۔

ایمان لانے کے بعد دعوت اسلام میں آنحضرتؐ کو ان سے عظیم الشان مدد ملی اور اکثر بڑے بڑے صحابہ جن کے کارنامے تاریخ اسلام میں بہت نمایاں ہیں انھی کے ہاتھ سے مسلمان ہوئے۔

انہوں نے دین پاک کی حمایت، اللہ کی رضا جوئی اور نبی کی امداد میں اپنا بہت سا مال صرف کر دیا۔ جو غلام مسلمان ہو جاتے تھے اور ان کے سنگدل آقا ان پر سختیاں کرتے تھے ان میں سے اکثروں کو ان کے مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیتے تھے۔

جب مشرکین مکہ کی ایذاؤں سے تنگ آ کر مسلمان ہجرت کر کے حبشہ کو جانے لگے، تو حضرت ابوبکرؓ بھی روانہ ہوئے۔ راستہ میں قبیلۂ قارہ کے سردار ابن الدغنہ نے روکا اور کہا کہ اگر تمہاری قوم دشمن ہے تو میں تم کو پناہ دیتا ہوں۔

تم مکہ کو لوٹ چلو۔ چنانچہ وہ ان کو اپنے ساتھ لے کر مکہ آیا۔ قریش کے سرداروں کو ملامت کی اور کہا کہ ایسا شخص جو محتاجوں کو کھلاتا اور غریبوں کی مہمان نوازی اور مصیبت زدوں کی دستگیری کرتا ہے اس کو تم لوگ ستاتے ہو اور گھر سے نکالتے ہو؟ میں نے ان کو اپنی پناہ میں لیا ہے اور وہ اپنے گھر میں رہیں گے۔ قریش نے ابن الدغنہ کی بات مان لی لیکن یہ کہا کہ یہ اپنے گھر میں رہیں اور مخفی طور پر جس طرح چاہیں عبادت کریں۔

کچھ دنوں تک اسی شرط کے ساتھ رہے اور جب اعلان کے بغیر چارہ نہ رہا تو جا کر ابن الدغنہ کو اس کی پناہ واپس کی۔ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میرے لئے کافی ہے۔ میں راضی ہوں جو مصیبت پڑے گی اس کو برداشت کروں گا اس کے بعد مکہ میں سکونت پذیر رہے جب سرور عالم کو ہجرت کا حکم ملا اور مدینہ کو چلے تو یہی رفیق راہ ہوئے۔ اور یہ وہ خصوصیت ہے کہ صحابہ میں سے کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔

ہجرت کے بعد تمام مشاہد میں آنحضرتؐ کے ہمراہ رہے کسی میں ساتھ نہیں چھوڑا۔

جنگ تبوک میں صاحب علم یہی تھے۔ ۹ھ میں آنحضرتؐ نے انھی کو امیر الحاج بنایا۔

۶۸۶۳

اور جب آپ مرض الموت میں گرفتار ہوئے تو بجائے اپنے ان کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔

اجمالِ خلافت

بڑے آدمیوں میں بعض بعض خاص صفتیں ہوتی ہیں جو ان کے تمام کاموں میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ اور جب ان کا نام لیا جاتا ہے تو ان کی صورت ان مخصوص صفات کو لئے ہوئے ذہن میں آتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی دو صفتیں خاص طور پر نمایاں ہیں پختگی عزم و رقتِ قلب۔

پختگی عزم کے یہ معنی ہیں کہ جو مہم پیش آئے اس میں جہاں تک ہو سکے غور و تامل کرے اور دوسرے ارباب عقل سے رائے و مشورہ لے اور جب اس کا راستہ متعین ہو جائے تو اس پر چل پڑے پھر کوئی چیز اس کے بڑھنے میں رکاوٹ نہ ڈال سکے۔ یہاں تک کہ اگر پہاڑ بھی سامنے آئے تو وہ بھی سدِ راہ نہ بن سکے یہی حالت حضرت ابوبکرؓ کی تھی۔

رقت اس کو کہتے ہیں کہ انسان کا دل درد سے اثر پذیر ہو۔ یہاں تک کہ دوسروں کے مصائب کو بھی دیکھے تو قلب غمگین اور آنکھ پر نم ہو جائے۔

یہ دونوں خلق باہم ایک دوسرے کے مصلح ہیں اور بالخصوص مدبرانِ امت میں ان دونوں کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ رقت قلب اثر کے لحاظ سے اس کو دردمندی کے ساتھ متفکر اور متردد کرتی ہے جس کی وجہ سے معاملہ کے ہر پہلو پر اسے غائر نظر ڈالنی پڑتی ہے۔ اور صدق عزیمت کی وجہ سے پھر اس کے قلب میں یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے اور پوری قوت کے ساتھ صحیح رُخ پر گامزن ہو جاتا ہے۔

جیشِ اُسامہؓ

حضرت ابوبکرؓ کی پختگی عزم کا نمایاں ظہور جیش اسامہ کے معاملہ میں ہوا اس کی کیفیت یہ ہے کہ جنگ موتہ میں جو ۸ھ میں رومیوں سے ہوئی تھی اور جس میں حضرت زید بن حارثہ وغیرہ شہید ہوئے تھے اس کے انتقام کے لئے آنحضرتؐ نے مرض الموت سے قبل ایک لشکر تیار کیا تھا۔ اور اس کا سردار اُسامہ کو مقرر فرمایا تھا۔

۶۰۸

جب یہ لشکر کوچ کرنے لگا تو آنحضرت ﷺ بیمار ہو گئے۔ اس وجہ سے رک گیا۔ یہاں تک کہ آپ نے انتقال فرمایا۔ اس کے بعد ہی سے قبائل عرب کے ارتداد کی خبریں آنی شروع ہوئیں لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اب جبکہ نو مسلم قبیلے مرتد ہوتے چلے جاتے ہیں اور مخالفت بڑھ رہی ہے۔ یہ فوج باہر نہ بھیجی جائے بلکہ یہیں رکھی جائے کہ بروقت ضرورت کام دے۔ انھوں نے نہایت سختی سے انکار کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کے مشورہ کو مان لیا ہوتا اور اس فوج کو نہ بھیجتے تو حکم رسول کی مخالفت کا پہلا تخم امت میں پڑ جاتا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بھیجنے کا قطعی حکم دے دیا تھا۔ اور انتقال سے پہلے بار بار زبان مبارک سے اس کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔

صحابہ کرام نے ہرچند ان سے کہا کہ اس لشکر میں مسلمانوں کے منتخب اشخاص ہیں۔ اور قبائل عرب کی حالت نظر کے سامنے ہے۔ ایسی صورت میں جمعیت متفرق کرنا مناسب نہیں۔ لیکن انھوں نے فرمایا :-

> قسم ہے اس اللہ کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر میں یہ بھی جان لوں کہ درندے مجھکو پھاڑ کھائیں گے تب بھی اس لشکر کو نہیں روکوں گا۔ اور خواہ بستیوں میں میرے سوا کوئی بھی نہ رہ جائے پھر بھی اس کو روانہ کئے بغیر نہیں رہوں گا۔

حضرت اسامہ زید بن حارثہ کے بیٹے تھے جو آنحضرتؐ کے غلام مشہور تھے۔ علاوہ بریں نوعمر آدمی تھے۔ ان کا سن اس وقت سترہ سال کا تھا۔ انصار کی طرف سے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے آکر کہا کہ اگر آپ لشکر بھیجتے ہی ہیں تو کسی شریف النسل اور سن رسیدہ شخص کو اس کا امیر مقرر فرمایئے۔ یہ سنکر حضرت ابوبکرؓ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور حضرت عمرؓ کی ڈاڑھی پکڑ کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کو سردار مقرر کیا ہے۔ میں ان کو برطرف کر دوں؟

اس کے بعد خود اس فوج کو رخصت کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت اسامہ گھوڑے پر تھے۔ خلیفہ ان کے رکاب میں پیدل چلے جاتے تھے۔ اور ان کا کوتل گھوڑا حضرت عبدالرحمن

بن عوف تھامے ہوئے تھے۔ اسامہ نے کہا کہ یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا مجھے اترنے کی اجازت دیں فرمایا کہ نہیں خود سوار ہوں گا۔ نہ تم کو پیادہ ہونے کی اجازت دوں گا۔

یہ تعظیم اصل میں مسلمانوں کے دل سے زمانہ جاہلیت کے اس شائبہ کو دور کرنے کی غرض سے تھی جو ان میں رہ گیا تھا کہ وہ نوعمروں اور غلام زادوں کو حقیر سمجھتے تھے۔

اس فوج میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے اور اس وقت حضرت ابوبکرؓ کی مدد کے لئے مدینہ میں ان کا رہنا ازبس ضروری تھا۔ اس لئے خود حضرت ابوبکرؓ نے اسامہ سے درخواست کی کہ اگر مناسب سمجھو تو عمر کو میری مدد کے لئے چھوڑ دو۔ اسامہ نے اجازت دے دی۔ یہ بھی امت کیلئے جمہوریت کا ایک سبق تھا۔ کیونکہ اسامہ رسول اللہ کے مقرر کئے ہوئے تھے اس لئے خلیفہ نے اس امر کو ان کے احترام کے منافی سمجھا کہ بلا ان کی منظوری کے استبداداً خود حضرت عمر کو روک لیں۔ وداع کرتے وقت حسب ذیل وصیت فرمائی۔

لوگو ذرا ٹھیر جاؤ میں تم کو دس باتوں کی وصیت کرتا ہوں ان کو یاد رکھنا خیانت نہ کرنا۔ مال چھپانا۔ بیوفائی سے بچنا کسی کے اعضا نہ کاٹنا۔ بوڑھوں بچوں اور عورتوں کو مت قتل کرنا۔ کھجوروں اور پھل لانے والے درختوں کو نہ کاٹنا۔ بجز کھانے کے اور کسی غرض سے جانوروں کو ذبح نہ کرنا۔ تم کو لوگ ملیں گے جو دنیا چھوڑ کر خانقاہوں میں عبادت کے لئے بیٹھے ہیں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ ایسے لوگوں پر بھی تمہارا گذر ہوگا جو برتنوں میں قسم قسم کے کھانے تمہارے سامنے لائیں گے تم جب اس میں سے کھانا، تو اللہ کا نام لے کر کھانا۔ ایک جماعت ایسی بھی ملے گی جن کے سروں میں شیطان نے گھونسلا بنا رکھا ہے ان کو تلواروں سے کاٹ ڈالنا۔

اللہ کے نام پر روانہ ہو جاؤ۔ وہ تم کو دشمنوں کے نیزوں اور طاعون سے بچائے۔

یہ لشکر یکم ربیع الثانی ۱۱ھ کو مدینہ سے روانہ ہوا۔ شام کے متصل پہنچکر بلاد قضاعہ کو تخت و تاراج کیا۔ اور چالیس روز کے بعد کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آ گیا۔

اس فوج کا اس وقت بھیجنا نہایت مفید ثابت ہوا کیونکہ اسلام کے دشمنوں اور مخالفوں کو جب اس کا حال معلوم ہوا تو ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اگر مسلمانوں میں قوت نہ ہوتی تو غسانیوں کے مقابلہ کے لئے ایسے وقت میں فوج کس طرح بھیج سکتے۔

فتنۂ ارتداد

نجد اور یمن کے باشندے اور بعض دیگر صحرانشین قبائل اگرچہ اسلام لا چکے تھے لیکن ان کے دلوں میں دین اب تک راسخ نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے خود ان کے بارہ میں فرمایا ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

دیہاتی عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ ان سے کہدو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ اسلام لائے ابھی تک تو ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ان کے دلوں میں خیال پیدا ہوا کہ فرائض اسلامی سے اب ہم کو آزادی حاصل ہو گئی۔ ان کے اوپر سب سے گراں جو چیز تھی وہ زکوٰۃ تھی چنانچہ انھوں نے اس کو روک دیا۔

اس کے علاوہ چند مدعیان نبوت بھی اُٹھ کھڑے ہوئے بہت سے نومسلم قبائل ان کے اثر میں آگئے۔

حضرت ابوبکرؓ کے عزم صادق کا اس موقع پر بھی ظہور ہوا۔ انھوں نے ان قبائل سے جنگ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا یعنی جب ہر طرف سے قبیلوں کے مرتد ہونے کی خبریں آنی شروع ہوئیں اور بعض قبائل کے فرستادے مدینہ میں پہنچ گئے اور خلیفہ سے انھوں نے درخواست کی کہ ہم سے نماز پڑھوا لو مگر زکوٰۃ معاف کر دو تو انھوں نے صحابۂ کرام کو جمع کر کے مشورہ کیا سب نے رائے دی کہ مصلحت وقت یہ ہے کہ ان کے ساتھ نرمی کی جائے حضرت عمرؓ کا بھی مشورہ یہی تھا اس پر صدیق اکبر نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ:-

اے عمر! جاہلیت میں تو تم بڑے جابر تھے۔ یہ کیا ہوا کہ اسلام لا کر خوار ہو گئے۔
وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ دین کامل ہو چکا۔ کیا میرے جیتے ہوئے اس میں کمی کی جا سکتی ہے؟
اللہ کی قسم اگر زکوۃ کا ایک جانور بھی کوئی قبیلہ روکے گا تو میں اس سے ضرور جہاد کروں گا۔
حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ کلام سنکر میرے اوپر منکشف ہو گیا کہ ابوبکرؓ کے دل کو اللہ تعالیٰ نے جہاد کے لئے کھول دیا ہے آخر قبائل کے جو قاصد آئے تھے وہ ناکام گئے۔

حضرت ابوبکرؓ جیش اسامہ کی واپسی کے منتظر تھے۔ جب یہ فوج واپس آ گئی تو اسامہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام کر کے انکی فوج کو بھی ان کے ساتھ چھوڑ دیا اور خود صحابہ کی جمیعت لے کر مرتدین سے مقابلہ کے لئے نکلے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ مدینہ ہی قیام فرمائیں اور بنفس نفیس دشمنوں کے مقابلہ کے لئے نہ نکلیں۔ کیونکہ اگر آپ کی ذات کو کوئی صدمہ پہنچ جائے گا تو نظام امت ابتر ہو جائے گا اپنی طرف سے کسی کو امیر بنا کر بھیجئے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اس کو قبول نہیں کیا۔

پہلا پڑاؤ مقام ابرق میں ڈالا۔ وہاں بنی عبس سے مقابلہ اور مقاتلہ ہوا۔ وہ شکست کھا کر بھاگے پھر آگے بڑھ کر بنی ذبیان کو مغلوب کیا۔ اور ان کی چراگاہیں مجاہدین کے گھوڑوں کے لئے وقف کر دیں وہاں سے مدینہ میں واپس آئے۔

اُسامہ کے لشکر کے لوگ اب تازہ دم ہو چکے تھے۔ ان کو ساتھ لا کر پھر مدینہ سے نکلے، اور مقام ذوالقصہ میں جو مدینہ سے نجد کی جانب بارہ میل فاصلہ پر ہے قیام فرمایا۔ وہاں گیارہ جھنڈے گیارہ امیروں کو دے کر فوج کے دستے ان میں تقسیم کر دئے اور مختلف اطراف میں ان کو روانہ کیا تفصیل یہ ہے:۔

(۱) خالد بن ولید۔ طلیحہ بن خویلد اسدی کی طرف مقام بزاخہ میں۔ اور جب اس کی مہم سے فارغ ہو جائیں تو مقام بطاح میں مالک بن نویرہ پر بڑھیں۔

(۲) عکرمہ بن ابی جہل۔ مسیلمہ کذاب کی طرف۔

(۳) شرحبیل بن حسنہ۔ عکرمہ کی امداد کے لئے۔

(۴) مہاجر بن ابی اُمیّہ۔ ابناء کی امداد کے لئے۔

(۵) حذیفہ بن محصن۔ عمان میں اہل دبا کی طرف۔

(۶) عرفجہ بن ہرثمہ۔ اہل مہرہ کی طرف۔ ان کو اور حذیفہ کو حکم دیا کہ ساتھ مل جائیں جس کے رقبۂ حکومت میں دونوں ہوں وہ ہی امیر رہے۔

(۷) سُوید بن مقرن۔ تہامۂ یمن۔

(۸) علاء بن الحضرمی۔ بحرین۔

(۹) طریفہ بن حاجز۔ بنی سلیم اور ان کے ساتھ جو بنی ہوازن شامل ہو گئے تھے ان کی سرکوبی کے لئے۔

(۱۰) عمرو بن عاص۔ بنی قضاعہ کی طرف۔

(۱۱) خالد بن سعید۔ مشارف شام۔

اس کے بعد مُرتدین عرب کے نام ایک اعلان عام بھیجا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

مجھ کو تم لوگوں میں سے ان کا حال معلوم ہوا جو پہلے اسلام لائے تھے مگر اب اس دین کو چھوڑ بیٹھے انہوں نے اپنی نادانی سے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا اور شیطان کے فریب میں آگئے۔ حالانکہ وہ انسان کا دشمن ہے میں تمہارے پاس فلاں شخص کو مہاجرین اور انصار کی فوج کے ساتھ بھیجتا ہوں وہ تم کو اللہ کی طرف بلائے گا جو اس کی بات مان لے گا اور نیک کام کرے گا تو اس کو نہ قتل کرے گا نہ اس سے لڑے گا اور جو باز نہ آئے گا اس کے اوپر تلوار اٹھائے گا اور کسی سے بجز اسلام کے اور کچھ قبول نہ کرے گا۔

میں نے اپنے قاصد کو حکم دیا ہے کہ میرے اس نوشتہ کو تمہارے مجمع عام میں سنا دے۔ اور نشانی یہ مقرر کی ہے کہ جس بستی کے لوگ اذان پکاریں ان سے ہاتھ روک لیا جائے۔

امراء فوج کو بھی اسی مضمون کے مطابق ہدائتیں کیں اور پھر ان کو روانہ فرمایا۔

طلیحہ:۔ طلیحہ بنی اسد کا سردار تھا جب اس نے سرورعالم کی بیماری کی خبر سنی تو اُس کو

خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی نبوت کا دعویٰ کر کے اپنا نام ملک میں روشن کرے چنانچہ اس نے اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ قبیلۂ بنی اسد اس کے ساتھ ہو گیا۔ اور چونکہ بنی طے بھی ان کے حلیف تھے اس لئے انھوں نے بھی ساتھ دیا۔ بنی غطفان کے لوگ بھی بجز چند خواص کے اس شورش میں شامل ہو گئے۔ اس طرح پر طلیحہ کے پاس ایک بڑا انبوہ جمع ہو گیا اور سرزمین نجد میں چشمہ بزاخہ کے اوپر ان کا اجتماع ہوا۔

مدینہ میں اس وقت حاتم کے بیٹے حضرت عدی موجود تھے وہ حضرت ابو بکرؓ سے اجازت لے کر اپنی قوم کے پاس آئے اور ان کو سمجھایا ان کے سمجھانے سے بنی طے پھر اسلام لائے اسی اثنا میں حضرت خالدؓ بھی فوج لے کر قریب پہنچ گئے۔ قبیلہ طے کے لوگوں نے عدی سے کہا کہ تم جا کر خالد کو روکے رہو تاکہ ہم اپنے قبیلہ کے ان لوگوں کو جو طلیحہ کے ساتھ ہیں بزاخہ سے نکال لائیں ورنہ ہماری مخالفت کی وجہ سے وہ یا تو ان کو قتل کر ڈالے گا یا پکڑ کر رہن رکھ لے گا۔ عدی حضرت خالدؓ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ تین روز صبر کریں میرے قبیلہ سے انشاءاللہ پانچ سو جنگ آور اور مل جائیں گے جن سے آپ اپنے دشمنوں کو شکست دے سکتے ہیں حضرت خالدؓ نے انکی بات مان لی۔

بنی طے اپنے بھائیوں کو مقام بزاخہ سے امداد کے بہانہ سے بلا لائے اور سب کے سب اسلام پر قائم ہو گئے۔

عدی نے یہی کوشش قبیلہ جدیلہ میں بھی کی اور وہاں بھی نتیجہ حسب مراد نکلا۔ ان دونوں قبیلوں کے ایک ہزار آدمی حضرت خالد کی فوج کے ساتھ شامل ہوئے۔

مورخین نے حضرت عدی کی اس کوشش پر ان کو بنی طے کے بہترین فرزند کا لقب دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ کارنامہ نہایت عظیم الشان ہے اس سے اسلام کو مدد پہنچنے کے علاوہ خود ان کا قبیلہ دینی اور دنیاوی برکتوں سے مالا مال ہوا۔

حضرت خالدؓ اپنی فوجیں لے کر بزاخہ میں پہنچے اور طلیحہ کے ساتھ جنگ کر کے اس کو شکست دے دی۔ اس کی تمام جماعت منتشر ہو گئی اور وہ خود بھاگ گیا۔ کچھ زمانہ کے بعد ہر قسم

کی ذلت وخواری اُٹھا کر پھر مسلمان ہوا۔ اور مدینہ میں آیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو دیکھ کر کہا کہ اے کاذب تیرا ہی دعویٰ تھا کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے کہ اللہ مجھے رسوا نہ کرے گا۔ اس نے کہا کہ اے امیر المومنین! یہ سب کفر کے فتنے تھے جن کو میرے اسلام نے مٹا دیا اب آپ مجھ پر سخت گیری نہ کریں۔

بنی تمیم و مالک بن نُویرہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل تمیم میں متعدد امراء مقرر کئے تھے جن میں سے زبرقان بن بدر قیس بن عاصم۔ وکیع بن مالک اور مالک بن نویرہ بھی تھے فتنۂ ارتداد میں ان میں سے کوئی اسلام پر قائم رہا کوئی مرتد ہو گیا۔ کوئی مذبذب تھا۔ اسی درمیان میں تمیمی قبیلہ بنی یربوع کی شاخ بنی تغلب میں سے ایک عورت سجاح بنت حارث نے نبوت کا دعویٰ کیا بنی تغلب کے نصاریٰ کی جماعت اس کے ساتھ ہو گئی۔

سجاح نے ارادہ کیا کہ مدینہ پر چڑھائی کرے اس نے مالک بن نویرہ کو بلایا۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ بنی تمیم کے بعض قبائل تمہارے مخالف ہیں پہلے ان کو اپنے قابو میں کر لو! اس کے بعد کہیں کا ارادہ کرو۔ وکیع بن مالک بھی اس کے ساتھ ہو گئے اس نے اپنے مخالف تمیمی قبائل کے ساتھ جنگ شروع کی لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا آخر کار اس مہم کو چھوڑ کر مسلیمہ کذاب کی طرف رُخ کیا جس نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس نے صلح کر لی۔

اسی اثناء میں حضرت خالدؓ اپنی فوج لے کر اس طرف پہنچے۔ سجاح کی جمعیت منتشر ہو گئی رؤسا بنی تمیم بھی اپنے کئے پر پشیمان ہوئے اور ان لوگوں نے مال زکوٰۃ حضرت خالدؓ کے پاس بھیج دیا مالک بن نویرہ نے نہیں بھیجا۔ اور اپنے قبیلہ کو حکم دیا کہ متفرق ہو جائے۔

حضرت خالدؓ جب مقام بطاح میں پہنچے اور وہاں کسی کو نہ دیکھا تو اپنی فوج کے دستے اِدھر اُدھر تلاش کے لئے بھیجے۔ ایک دستہ مالک بن نویرہ اور اسکے ساتھیوں کو پکڑ لایا۔ خالدؓ نے ان کو قید کیا اور پھر قتل کر ڈالا۔

بعض مسلمانوں نے جن میں حضرت ابو قتادہ بھی تھے اس قتل کو خلیفہ کے حکم کے خلاف قرار دیا۔ اس لئے کہ انھوں نے گرفتاری سے قبل ان مقتولین کو اذان دیتے سنا تھا اور اس کی شہادت بھی دی تھی۔

جس بات نے اس الزام کو اور زیادہ اہمیت دے دی وہ یہ تھی کہ خالد نے مالک بن نویرہ کی بیوی سے نکاح کر لیا۔

یہ خبر جس وقت حضرت ابوبکر کو پہنچی تو انھوں نے افسوس کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ خالد کی تلوار خونریز ہے۔ اگر یہ الزام سچ ہے تو لازم ہے کہ وہ قید کئے جائیں خالد کا جواب یہ تھا کہ ان لوگوں نے قتل کے خوف سے اذان پکار دی تھی لیکن حضرت عمر کی اس جواب سے تسلی نہیں ہوئی ان کو خالد کی گرفتاری پر اصرار تھا۔ آخر حضرت ابوبکر نے کہا کہ زیادہ سے زیادہ خالد پر یہ الزام ہے کہ انھوں نے ایک تاویل کی اس میں ان سے غلطی ہو گئی۔ اے عمر۔ تم خالد کے بارے میں اپنی زبان بند کرو۔ پھر خلیفہ نے خود مالک کا خون بہا ادا کیا۔

حضرت ابو قتادہ خالد سے خفا ہو کر بلا ان کی اجازت کے ان کی فوج سے نکل کر مدینہ میں چلے آئے تھے۔ چونکہ یہ امر فوجی نظام کے منافی تھا اس لئے باوجود ان کی جلالت شان اور بزرگی کے بھی حضرت ابوبکرؓ ان کے اوپر برافروختہ ہوئے اور فوراً ان کو خالد کے پاس واپس بھیجا۔

بنی یربوع کی خواری کے بعد قبائل تمیم عام طور پر اسلام کی طرف پلٹ آئے اور جس طرح زمانہ رسالت میں زکوٰۃ بھیجتے تھے اسی طرح دربار خلافت میں بھیجنے لگے۔

مُسیلمہ کذّاب

یمامہ کا قبیلہ بنی حنیفہ آنحضرت کی زندگی ہی میں مسلمان ہو چکا تھا۔ ان کا وفد بھی دربار رسالت میں آیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی خبر سن کر اس قبیلہ کے سردار مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اور یہ مشہور کیا کہ آنحضرتؐ نے خود مجھ کو اپنا شریک بنایا تھا۔ اسکی خواہش تھی کہ

نصف ملک عرب میرے قبضہ میں رہے اور نصف قریش کے مگر پھر کہتا تھا کہ قریش نا منصف قوم ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے اس کے مقابلہ کے لئے یکے بعد دیگرے دو لشکر روانہ کئے پہلی فوج کو عکرمہ اور دوسری کو شرجبیل لیکر گئے۔ حکم دیا تھا کہ جب دونوں فوجیں جمع ہو جائیں تب بنی حنیفہ سے جنگ کی جائے۔ لیکن عکرمہ نے اس خیال سے کہ اس کامیابی کا سہرا میرے سر بندھے پہنچ کر اکیلے اپنی ہی فوج سے حملہ کر دیا۔ اور شکست کھائی۔ حضرت ابوبکر اس کو سن کر بہت برہم ہوئے ان دونوں فوجوں کو وہاں سے دوسری طرف جانے کا حکم دیا اور خالد بن ولید کو جو بنی تمیم کی مہم سے فارغ ہو چکے تھے بنی حنیفہ کی طرف روانہ کیا۔

مسیلمہ کے پاس بہت بڑی جمعیت تھی جس کی تعداد تقریباً چالیس ہزار تھی اکثر بادیہ نشین جو قبائل ربیعہ میں سے تھے محض قومی عصبیت کے خیال سے اس کے ساتھ ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض بعض صاف طور پر کہتے تھے کہ مسیلمہ کذاب ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں۔ لیکن ربیعہ کا جھوٹا نبی مضر کے سچے نبی سے ہم کو زیادہ محبوب ہے۔

حضرت خالدؓ جب وہاں پہنچے تو نہایت ہولناک جنگ پیش آئی بنی حنیفہ نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ قریب تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے لیکن چند پر جوش باحمیت اور غیرتمند صحابہ کی کوشش اور ہمت دلانے کی وجہ سے اسلامی فوج ثابت قدم رہ گئی اور اس جوش کے ساتھ حملہ کیا کہ کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ تو مسیلمہ جو وسط فوج میں تھا مارا گیا۔ اس کو وحشی غلام جو حضرت حمزہ کا قاتل تھا اور ایک انصاری شخص نے قتل کیا بنی حنیفہ شکست کھا کر بھاگے اور اپنے قلعوں میں پناہ گزیں ہوئے بالآخر ان کے قائم مقام مجاعہ بن مرارہ نے حضرت خالدؓ کے پاس آکر مصالحت کی۔ صلح اس بات پر قرار پائی کہ وہ لوگ قتل نہ کئے جائیں صرف ان کا نقد مال اور ہتھیار ضبط کیا جائے اور جس قدر ان کے اسیران جنگ ہیں ان میں سے ایک چہارم لے لئے جائیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے خالد کے نام ہدایت نامہ لکھا تھا کہ بنی حنیفہ کے مقاتلین قتل کر دیئے

جائیں۔ یہ مکتوب معاہدۂ صلح کے بعد پہنچا۔ اس لئے حضرت خالد نے اپنے ہی شرائط کو پورا کیا۔
بنی حنیفہ اس کے بعد ارتداد چھوڑ کر اسلام کی طرف آ گئے۔ حضرت خالد نے ان میں سے منتخب اشخاص کا ایک وفد بھیجا۔ حضرت ابوبکر نے ان سے کہا کہ یہ تم کو کیا ہو گیا تھا کہ اپنے کو اور نیز ہم کو اس مصیبت میں ڈالا۔ انھوں نے کہا کہ جو کچھ ہوا وہ ایسا کام تھا کہ جو اللہ کی مرضی کے خلاف اور ہمارے لئے نامبارک تھا۔

اسود عنسی

آنحضرت کی وفات سے پیشتر قحطانی قبیلہ کی ایک شاخ عنس کے سردار اسود نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ یمن کے دیہاتی اس کے پیرو ہو گئے اس نے ان کی مدد سے نجران پر قبضہ کر لیا وہاں قبیلہ مذحج کے لوگ بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ اب وہ صنعاء کی طرف بڑھا۔ وہاں کے عامل شہر سے لڑائی کی اور ایرانی فوج کو جو ابناء کے نام سے مشہور تھی شکست دے دی۔ اس فتح کی وجہ سے تمام یمن میں اس کی دھوم ہو گئی اور اس کے فتنہ کی آگ ہر طرف پھیل گئی۔ اہل یمن میں سے کچھ لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ اور کچھ اس کے خوف کی وجہ سے خاموش ہو رہے۔

آنحضرت کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو ایک خط ابناء کے سرداروں کے پاس بھیجا کہ دین اسلام پر قائم رہیں اور اسود کو قتل کر ڈالیں:

اسی درمیان میں یہ واقعہ پیش آیا کہ اسود اپنے لشکر کے سردار قیس بن عبد یغوث مرادی سے بدگمان ہو گیا۔ قیس کو اپنی جان کا خطرہ ہوا اس لئے وہ ابناء کے ساتھ مل گیا اور اسود کے قتل کی سازش کی۔ اس میں شہر کی بیوی بھی جس کو اسود نے اس کے شوہر کے قتل کے بعد جبراً اپنے نکاح میں لے لیا تھا شریک ہو گئی۔ ابناء میں سے ایک شخص فیروز نامی نے موقع پا کر رات کو اسود کے مکان میں چھپ کر اس کو اچانک قتل کر ڈالا۔ اور جب صبح ہوئی تو اس کے کوٹھے کی چھت پر چڑھ کر اذان پکاری۔ اس طرح پر صنعا اس فتنہ اور فساد سے آزاد ہوا۔ وہاں کے لوگوں نے ان تمام واقعات کی خبر آنحضرت کو لکھ بھیجی۔ انکا قاصد مدینہ

میں اس صبح کو پہنچا جس کی شام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔

اسود کی ابتدائے شورش سے اس کے قتل تک کا زمانہ تقریباً چار مہینہ تھا۔

جب اہل یمن کو آنحضرتؐ کے انتقال کی خبر ملی تو اسود عنسی کے بعض حامیوں نے پھر فتنہ برپا کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے وہاں کے مسلمانوں کو لکھا کہ تم ان مرتدوں کے مقابلہ میں جمے رہو۔ ہم بہت جلد فوج بھیجتے ہیں۔ چنانچہ مہاجر بن امیہ لشکر لئے ہوئے وہاں پہنچے اور صنعا پر قبضہ کیا۔ شورش پسندوں کے سرغنے مثلاً قیس بن عبد یغوث اور عمرو بن معدی کرب وغیرہ گرفتار کئے گئے۔

پھر مہاجر صنعاء سے حضرموت میں قبیلہ کندہ کی طرف گئے کیونکہ وہاں کے لوگ بھی مرتد ہو گئے تھے۔ اسی مقام پر عکرمہ کی فوج بھی آ کر ان کے ساتھ مل گئی۔ بنی کندہ نے شکست کھائی۔ اور ان کا سردار اشعث بن قیس پکڑا گیا۔

بحرین اور حطم

بحرین میں عبدالقیس اور بکر بن ربیعہ کے قبائل آباد تھے۔ آنحضرتؐ نے منذر بن ساوی کو ان کا والی مقرر فرمایا تھا جس مہینہ میں آپؐ نے وفات پائی اسی مہینہ میں منذر نے بھی انتقال کیا۔ اہل بحرین مرتد ہو گئے۔

حضرت جارود بن معلی نے جو اسلام پر ثابت قدم تھے اپنے قبیلہ عبدالقیس کو جمع کیا اور کہا کہ میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں۔ اگر تمہیں معلوم ہو تو جواب دینا ورنہ خاموش رہنا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں اس بات کی خبر ہے کہ آنحضرتؐ سے پہلے بھی دنیا میں اللہ تعالیٰ کے انبیاء آتے رہے ہیں؟ ان لوگوں نے کہا کہ بیشک! حضرت جارود نے کہا پھر وہ کہاں گئے۔ ان لوگوں نے کہا کہ گذر گئے۔ انھوں نے فرمایا کہ جس طرح وہ لوگ گذر گئے اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی دنیا کو چھوڑ گئے۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط

ان لوگوں نے بھی ایک زبان ہو کر کہا کہ ہم بھی اس کا اقرار کرتے ہیں۔ اور آپ ہمارے سردار اور ہم سب سے افضل ہیں۔ اس طرح پر قبیلۂ عبد القیس بلا کسی جنگ کے اسلام پر قائم ہو گیا۔ لیکن بنی بکر کے سردار حطم بن ضبیعہ نے اپنے قبیلہ کو گمراہ کیا نیز اس نے قلیف اور ہجر کے باشندوں کو بھی بہکایا۔

حضرت علاء بن حضرمی خلیفہ کے حکم سے فوج لے کر وہاں پہنچے۔ ثمامہ بن اُثال بھی بنی حنیفہ اور بنی تمیم کی ایک جماعت لے کر ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ حطم مقابلے کے لئے آیا اور شکست کھا کر مقتول ہوا۔ اس کے بعد بنی بکر راہ راست پر آ گئے۔

ان کے علاوہ اور بھی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں مختلف اطراف میں مرتدین کے ساتھ ہوئیں اور سب میں مسلمان ہی غالب رہے۔

ردّت کے ان تمام واقعات کو پڑھنے کے بعد اس بات کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر کو ایسا عزم راسخ اور قلب قوی عطا فرمایا تھا جو دنیا کے ممتاز ترین لوگوں میں بھی مشکل سے پایا جا سکتا ہے۔ ارتداد کی شورشیں جو سارے ملک میں پھیل گئی تھیں اس میں مسلمانوں کی جو حالت ہو گئی تھی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اس کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

فتنۂ ارتداد میں مسلمان بکریوں کے اس ریوڑ کے مانند تھے جو موسم زمستاں کی سرد رات میں برستے ہوئے پانی میں گھر سے باہر بیابان میں بے چرواہے کے رہ جائے۔

لیکن پورے ایک سال کا زمانہ بھی گزرنے نہ پایا کہ حضرت ابو بکر نے اس فتنہ کو فرو کر دیا۔ اس سے نہ صرف ان کے عزم راسخ کا پتہ ملتا ہے بلکہ جو نظام فوجوں کا انھوں نے قائم کیا تھا اور جس طرح پر امراء لشکر کے ساتھ سلسلۂ خط و کتابت رکھتے اور ان کو ہدایتیں بھیجا کرتے تھے اس کی بھی تعریف کرنی پڑتی ہے۔

ہم بلا خوفِ تردید کہتے ہیں کہ اگر امدادِ الٰہی کے بعد حضرت ابو بکر کا عزم راسخ نہ ہوتا

تو مسلمانوں کی تاریخ وہ رتبہ حاصل نہ کر سکتی جو اس کو حاصل ہوا۔

ظہور عرب

امتِ عربیہ مدت دراز سے اپنے جزیرۂ عرب میں محصور اور اپنے ملک کے صحراؤں اور بیابانوں پر قانع تھی۔ باہمی جنگوں نے جو سلسلہ وار ان میں جاری رہتی تھیں ان کی قوتوں کو فنا کر رکھا تھا۔ ان کی ہمسایہ قومیں ان پر غالب آ گئی تھیں۔ اور ان کے ملک کے جو زرخیز مقامات تھے ان پر قبضہ کر رکھا تھا۔ گو خود بعض عربی قبائل میں بھی حکومت اور ریاست بھی۔ لیکن وہ بالاستقلال حکمراں نہیں تھے بلکہ فارس یا روم کے ماتحت تھے۔

مگر جب اسلام آیا تو اس نے انھی مغلوب عربوں سے ایک ایسی عظیم الشان امت تیار کی جس نے روم اور فارس کی قوتوں کو توڑ کر اپنی سلطنت قائم کی اور قدیمی حالت بدل دی۔

عرب کے دونوں بازوؤں پر دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتیں قائم تھیں جن کی عظمت اور شوکت کے آگے زمانہ قدیم سے اہل عرب اپنے سر کو جھکاتے تھے یعنی ایران اور روم مشرقی۔

ایران

سلطنت ایران کا پایۂ تخت مدائن تھا جو واسط اور بغداد کے درمیان دریائے دجلہ کے مشرقی ساحل پر واقع تھا۔ یہیں ساسانی خاندان کا بادشاہ رہا کرتا تھا۔

ساسانی سلطنت کی بنیاد اردشیر بابکان نے ڈالی تھی اس نے اس طوائف الملوکی کے بعد جو اسکندر مقدونی کی فتح اور یونانیوں کی حکومت سے پیدا ہو گئی تھی ۲۳۰ء میں پھر ایرانیوں کا بکھرا ہوا شیرازہ جمع کیا اور تمام ایرانی ممالک نیز عراق کے اوپر بھی قبضہ کر لیا اور اپنا لقب شہنشاہ رکھا۔ یہ سلطنت سلسلہ بسلسلہ اسی کی اولاد میں چلی آتی تھی۔

نوشیرواں کا پوتا خسرو پرویز تخت سلطنت پر تھا کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دعوت اسلام کے متعلق اس کے پاس گیا۔ اس نے غصہ میں اس کو چاک چاک کر ڈالا۔ اور

اپنے یمن کے عامل کو لکھا کہ وہ اس داعی مذہب کو پکڑ کر دربار میں بھیج دے۔

اسی موقع پر یہ واقعہ پیش آیا کہ اس کے بیٹے شیرویہ نے اس کو قتل کردیا اور خود تخت نشین ہوا لیکن وہ زیادہ عرصہ تک سلطنت نہ کرسکا اور صرف چھ مہینے کے بعد اپنے خاندان وملک کے ساتھ بہت کچھ سختیاں کرکے فنا ہوگیا۔ پھر اس کا کم سن بچہ اردشیر تخت پر بٹھایا گیا اور اس کے نام سے سلطنت کے فرمان جاری ہونے لگے ایرانی فوج کا سپہ سالار شہریار جو رومی سرحد پر فوجیں لئے پڑا تھا اردشیر کی تخت نشینی کا حال سنکر مدائن میں آیا اور اس لڑکے کو قتل کرکے خود اپنے سر پر تاج رکھا۔ چونکہ وہ شاہی خاندان سے نہ تھا اس لئے امراء اور ارکان سلطنت نے اس کی مخالفت کی اور متفق ہوکر اس کو مار ڈالا اور شیرویہ کی بہن بوران کو تخت نشین کیا۔ یہ صرف سولہ مہینے حکمران رہی۔ اس کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری زمانہ تھا بوران کے بعد جوان شیر نے سر پر تاج رکھا لیکن ایک مہینہ بھی وہ اس کے سر پر نہ رہ سکا اس کے بعد خسرو پرویز کی دوسری بیٹی آرزمی دخت تخت سلطنت پر بیٹھی آخر میں شاہ یزدگرد بسر شہریار بادشاہ بنایا گیا جس کے زمانہ میں تمام ایران اسلامی جھنڈے کے نیچے آگیا۔

روم

ایران کے بعد دنیا کی سب سے بڑی سلطنت روم تھی جو وسعت اور قوت اور شوکت کے لحاظ سے اس کی ہم مقابل تھی اس کا پایۂ تخت رومۃ الکبریٰ تھا اور اس کے حدود حکومت میں مشرقی ممالک شام۔ مصر اور حبش وغیرہ شامل تھے۔

ایک مدت کے بعد اس سلطنت کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ مغربی حصّہ کا مرکز بدستور رومہ رہا اور مشرقی حصّہ کا پایۂ تخت قسطنطنیہ قرار پایا۔ ابتدائے اسلام میں قسطنطنیہ کے تخت پر ہرقل تھا جو اپنے تخت نشین ہونے سے پہلے افریقہ کا والی تھا۔ پھر قیصر فوقا سے بغاوت کرکے اس کو قتل کر ڈالا۔ اور سنہ ۶۱۰ء میں اس کے بجائے اپنے سر پر تاج رکھا اس کی حکومت سنہ ۶۴۱ء تک رہی اسی کے زمانہ میں مسلمانوں نے ملک شام کو فتح کیا۔

ایرانی اور رومی سلطنتوں میں ایک دائمی نزاع چلی آتی تھی اور شام و عراق کے میدان ان کے تنازعات کے جولانگاہ تھے۔ جہاں اکثر دونوں میں لڑائی کی آگ مشتعل رہتی تھی کبھی ایرانی غالب آجاتے تھے اور انکی سلطنت بحر روم کے سواحل تک پہنچ جاتی تھی اور کبھی رومیوں کو غلبہ حاصل ہو جاتا تھا اور وہ دجلہ اور فرات تک قابض ہو جاتے تھے آغاز اسلام میں قیصر فوقا اور نوشیرواں کی فوجوں میں جنگ ہوئی تھی۔ اس میں اہل فارس کو سلسلہ وار فتوحات حاصل ہوئیں۔ انہوں نے رومیوں کو شام سے نکال کر باسفورس کے سواحل تک دھکیل دیا اور فنیشیا اور فلسطین کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ پھر ہرقل کے زمانہ میں بھی یروشلم پر حملہ آور ہوئے اور وہاں بہت سے مسیحی آثار کو مٹا دیا اور صلیب مقدس چھین لائے۔ سنہ ۶۱۶ء میں مصر پر بڑھے اور اسکندریہ تک فتح کر لیا۔

یہ فتوحات چونکہ ایک مشرک قوم کو اہل کتاب پر حاصل ہوئی تھیں اس لئے مشرکین عرب مسلمانوں کے مقابلہ میں اس پر شادیانے بجاتے تھے۔ سورۂ روم میں اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا کہ اگرچہ رومی اس وقت مغلوب ہو گئے ہیں لیکن چند سال کے بعد وہ پھر غالب آجائیں گے اور اس وقت مسلمان خوش ہوں گے۔

قرآن مجید کی یہ پیشین گوئی صحیح ہوئی۔ سنہ ۶۲۲ء میں ہرقل اپنے خواب غفلت سے ہوشیار ہوا اور سامان اور فوجوں کو مرتب کر کے ایرانیوں پر حملہ کیا اور فتح پائی۔

ایران و روم کی یہ لڑائیاں اسی طرح جاری رہیں جب شیرویہ نے خسرو پرویز کو قتل کر ڈالا اور ایران کی سلطنت کا مالک ہو گیا تو اس نے سنہ ۶۲۸ء میں رومیوں سے مصالحت کر لی جس قدر عیسائی قیدی اس کے پاس تھے واپس کر دئے اور صلیب مقدس بھی دیدی۔

ہرقل کو اس کامیابی پر انتہا درجہ کا سرور اور فخر حاصل ہوا۔ اور سنہ ۶۲۹ء میں اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے بیت المقدس میں آیا۔ یہی وہ سال ہے جس میں نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کا خط بھیجا تھا۔ چنانچہ وہ خط بیت المقدس ہی میں اس کو موصول ہوا۔

ابتدائے عہد خلافت میں ان دونوں سلطنتوں کی اجمالی حالت یہی تھی۔

جنگ ایران

ایرانی جس نگاہ سے اہل عرب اور خاص کر اسلام کو دیکھتے تھے اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ خسرو پرویز نے نامۂ نبوی کو چاک چاک کر ڈالا تھا اور یمن کے عامل کو حکم دے دیا تھا کہ وہ عرب کے نبی کو گرفتار کر کے دربار میں بھیج دے لیکن اس درمیان میں تخت سلطنت کے متعلق جھگڑے برپا ہو گئے اور اپنے اندرونی خلفشار کی وجہ سے ان کو مسلمانوں کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی۔ علاوہ بریں وہ اپنی قوت اور شوکت کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ ہم جب چاہیں گے ان کا استیصال کر دیں گے اس وجہ سے مسلمان ایرانیوں کی طرف سے مطلق مطمئن نہ تھے اور خوب جانتے تھے کہ جس وقت یہ اپنی نزاعات سے فرصت پا گئے اس وقت ہماری طرف رُخ کریں گے۔

اس لئے ابوبکرؓ جب مرتدین کی مہم سے فارغ ہوئے تو اپنے سپہ سالار اعظم خالد بن ولید کو ایران پر فوج کشی کا حکم دیا اور ان کو یہ بھی تاکید کر دی کہ صرف انھی مسلمانوں کو اپنے ساتھ جنگ میں لے جائیں جو فتنۂ ارتداد سے محفوظ رہے تھے۔

حضرت خالد کو یہ فرمان یمامہ میں موصول ہوا اسی وقت انھوں نے سرحد عراق کے فرماں روا ہُرمز کو یہ خط لکھا:۔

> تم اسلام لاؤ محفوظ رہو گے۔ یا اپنی قوم کی طرف سے ذمی ہونے کا اقرار کرو اور جزیہ دینا قبول کرو، ورنہ سوائے اپنے پھر کسی کو ملامت نہ کرنا کیونکہ میں ایک ایسی قوم کو تمہارے مقابلہ میں لا رہا ہوں جو اسی قدر موت کی خواہاں ہے جس قدر تم زندگی کے خواہاں ہو۔

اس کے بعد ہی وہ خود بھی اپنی فوجوں کو لے کر وہاں پہنچ گئے۔

ہُرمز کو جس وقت یہ خط ملا اس نے شہنشاہِ ایران کے پاس بھیج دیا اور اپنی ساری فوجیں جمع کر کے کاظم کی طرف بڑھا یہ اس سرحد کے بدترین امراء میں سے تھا اور تمام عرب جو اس قرب وجوار میں بستے تھے اس کے سخت دشمن تھے۔

جب دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا تو خالد نے ہُرمز کو میدان جنگ میں پکارا وہ مقابلہ

کے لئے آیا اور مارا گیا اس کے بعد ایرانی نہ ٹھہر سکے اور شکست کھا کر بھاگ گئے۔

ایرانی سپاہیوں کی ایک جماعت نے اس خیال سے کہ میدان جنگ سے بھاگ نہ سکیں اپنے آپ کو زنجیروں میں باندھ رکھا تھا مسلمانوں نے جب اس کو فراہم کیا تو تقریباً ایک شتر بار ہوئیں۔ اسی وجہ سے اس جنگ کو ذات السلاسل کہتے ہیں۔

اس فتح کی خبر حضرت ابوبکر کو پہنچی تو بہت خوش ہوئے اور ازراہِ قدردانی ہرمز کا تاج جو ایک لاکھ درہم کا تھا حضرت خالد کو بخش دیا۔ خالد اپنی فوجوں کو وہاں سے لے کر آگے بڑھے اور اس مقام پر جہاں بعد میں بصرہ آباد کیا گیا قیام فرمایا۔

دربار ایران کی طرف سے قارن کی سرکردگی میں ایک فوج ہرمز کی کمک کے لئے روانہ کی گئی تھی۔ ابھی وہ راستہ ہی میں تھی کہ اس کو اس شکست کی خبر ملی۔ اس نے مقام مدار میں خیمے ڈال دئے۔ حضرت خالد نے اپنی فوج کو اسی طرف بڑھایا اور صف آرائی کی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ایرانی شکست کھا گئے اور ان کا سپہ سالار مارا گیا۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا لیکن وہ کشتیوں میں سوار ہو کر ندی سے پار اتر گئے۔ جس قدر ایرانی اس جنگ میں قتل ہوئے ان کی تعداد تیس ہزار تھی۔

اس شکست کی خبر جس وقت شہنشاہ ایران کو پہنچی تو اس نے اندرزگر کی سپہ سالاری میں ایک فوج گراں روانہ کی جب وہ مدائن سے نکل کر مقام ولجہ میں پہنچا تو اس کی امداد کو ایک دوسری فوج بہمن جادویہ کی سرکردگی میں بھیجی۔ ایرانی فوج میں اکثر نصارائے عرب بھی شامل ہو گئے۔

جب خالد کو ان فوجوں کا حال معلوم ہوا تو مقابلہ کے لئے آگے بڑھے لیکن اپنے خط رجعت کو محفوظ رکھنے کے لئے جا بجا دستے متعین کرتے گئے۔ ولجہ میں پہنچ کر تین طرف سے ایرانیوں پر حملہ کا سامان کیا۔ پہلے ایک جانب سے خود بڑھے۔ اس کے بعد جب لڑائی کے شعلے بھڑکنے لگے تو دوسرا حصہ اور پھر تیسرا حصہ فوج کا اپنی اپنی کمین گاہوں سے نکل کر حملہ آور ہوا۔ اس تدبیر سے ایرانی گھبرا گئے اور بہت جلد ہزیمت کھا کر بھاگے۔ ان کا سردار ایک طرف بدحواسی میں

نکل گیا اور پیاس کی شدت سے مر گیا۔

قبیلۂ بکر کے جن عیسائی عربوں نے ایرانیوں کی مدد کی تھی وہ بیشتر اس لڑائی میں قتل کر دئے گئے۔ اس سے ان کے ہم قوم نصاریٰ جوش میں آکر مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے بہمن جادویہ کی فوج میں جا کر مل گئے وہ انبار کے متصل الیس میں اپنا لشکر لئے ہوئے پڑا تھا خالد نے پہنچ کر اس پر حملہ کیا اور اس کی فوج کے زیادہ حصہ کو قتل کر ڈالا۔

الیس کی جنگ سے فارغ ہو کر حیرہ کا محاصرہ کیا اہل حیرہ نے یہ دیکھ کر کہ ہم مقابلہ نہیں کر سکتے مصالحت کی خواہش کی عمرو بن عبد المسیح اور دوسرے رؤسا نے آکر صلح کی گفتگو کی۔ ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ پر مصالحت قرار پائی۔ ان لوگوں نے بہت سے تحفے اور ہدیے بھی پیش کئے۔ حضرت خالد نے خلیفہ کی ہدایت کے مطابق ان کو جزیہ کی رقم میں شمار کر لیا اور عہد نامہ لکھا جس کا مضمون یہ تھا:۔

> یہ وہ عہد ہے جو خالد بن ولید نے عدی اور عمر پسران عدی اور عمرو بن عبد المسیح اور ایاس بن قبیصہ اور حیری بن اکال کے ساتھ کیا۔ نامبردگان باشندگان حیرہ کے قائم مقام اور وہاں کے رؤسا ہیں۔ قرارداد یہ ہے کہ وہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ ادا کرتے رہیں گے ہمارے ذمہ ان کی حفاظت ہے۔ اگر ہم ان کی حفاظت نہ کریں تو ان کے اوپر کوئی رقم واجب نہیں اور اگر یہ لوگ قولاً یا فعلاً بد عہدی کریں تو ہم ان سے بری الذمہ ہیں۔

اہل حیرہ سے صلح ہونے کے بعد صلوبا نے بھی جو قس ناطف کا رئیس تھا عہد نامہ لکھ دیا۔ ایرانی مرزبانوں اور دہقانوں نے بھی جب حضرت خالد کی فتوحات اور ان کے عہد نامہ کو دیکھا اور ان کے انصاف اور برتاؤ کی خوبی کا ان کو حال معلوم ہوا تو فلالیج سے ہرمز جرد تک کے رؤسا نے آکر بیس لاکھ درہم سالانہ جزیہ پر صلح کر لی۔ حضرت خالد نے تحصیل خراج و جزیہ اور ملکی انتظامات کے لئے عمال مقرر کئے اور ذمیوں کے امن و امان کا پورا بندوبست کیا۔

حیرہ سے انھوں نے بادشاہ ایران کو ایک خط بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔

از جانب خالد بن ولید بنام فرمانروائے ایران۔ اللہ کا شکر ہے جس نے تمھارے نظام کو مختل اور تمھاری تدابیر کو بیکار کر کے تم کو ابتر کر دیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو تمھارے حق میں اور زیادہ برا ہوتا۔ تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ ہم تم کو اور تمھاری سرزمین کو چھوڑ دیں گے۔ ورنہ بالآخر تم کو یہی کرنا پڑیگا۔ میرے ساتھ وہ لوگ ہیں جو موت کے اسی قدر عاشق ہیں جس قدر تم زیست کے عاشق ہو۔

اس زمانہ میں اہل ایران میں تخت سلطنت کے متعلق اختلاف تھے کیونکہ شاہی خاندان میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس کو وہ اپنا بادشاہ بنالیتے۔ جب حضرت خالد کا خط پہنچا تو انھوں نے اپنے جھگڑوں کو مٹا کر فرخ زاد کو بادشاہ بنالیا اور یہ کہا کہ جب تک ساسانی خاندان کا کوئی شخص بادشاہت کے قابل نہ ملے اس وقت تک امور سلطنت اسی کے ہاتھ میں رہیں۔

حضرت خالد جنوبی عراق کی مہم سے فارغ ہو کر شمالی عراق میں عیاض بن غنم کی امداد کے لئے روانہ ہوئے حیرہ پر قعقاع بن عمرو کو اپنا قائم مقام مقرر کر گئے۔ جب انبار میں پہنچے تو وہاں کے باشندے قلعہ گیر ہو گئے۔ ان کا محاصرہ کیا اور ان کے اوپر تیر برسائے بالآخر انھوں نے اس بات پر مصالحت کی کہ جریدہ گھوڑوں پر سوار ہو کر نکل جائیں اور مع تمام مال و متاع کے قلعہ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ حضرت خالد نے اس کو منظور کر لیا۔ اس فتح کے بعد اس اطراف کے رئیسوں نے بھی جزیہ پر صلح کر لی۔ وہاں زبرقان بن بدر کو اپنا جانشین بنا کر عین التمر کی طرف بڑھے جہاں مہران پسر بہرام چوبیں فوج لئے پڑا تھا۔ نمر تغلب اور ایاد کے قبائل کے نصارائے عرب بھی عقہ بن ابی عقہ کی ماتحتی میں اس کے ساتھ شامل تھے۔ عقہ نے مہران سے کہا کہ عرب عربوں کی لڑائی سے اچھی طرح واقف ہیں لہذا ہم کو خالد کے مقابلہ کے لئے جانے دو۔ اس نے کہا کہ تم سچ کہتے ہو۔ لوہا لوہے کو ٹھیک کرتا ہے۔

عقہ اپنی فوج کو لے کر حضرت خالد کے مقابلہ میں آیا۔ انھوں نے بھی صف آرائی کی اور دونوں فوجوں میں جنگ شروع ہوئی۔ حضرت خالد نے بڑھ کر عقہ کو گرفتار کر لیا اس کی فوج شکست کھا گئی مہران یہ دیکھ کر قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ نصارائے عرب کی شکست خوردہ جمعیت جب وہاں

پہنچی تو دیکھا کہ ایرانی فوج جا چکی ہے۔ مجبوراً قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئی۔ مسلمانوں نے محاصرہ کیا اور بلا امان دیئے ہوئے ان سب کو قتل کر ڈالا۔

اس قلعہ میں چالیس لڑکے ملے جو انجیل پڑھا کرتے تھے۔ انہی میں سے موسیٰ ابن نصیر فاتح اندلس کے باپ نصیر، محمد ابن سیرین کے باپ سیرین اور حمران مولیٰ عثمان وغیرہ تھے یہ اسلامی فوج میں تقسیم کئے گئے۔

یہاں خالد کو عیاض بن غنم کا خط ملا جو شمالی عراق میں دومتہ الجندل کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ انھوں نے ان کو بلایا تھا حضرت خالد نے ان کو مندرجہ ذیل مختصر جواب لکھا:-

از جانب خالد بنام عیاض۔ میں تمہارے ہی پاس آ رہا ہوں۔

دومتہ الجندل میں نصارائے عرب کی بہت بڑی جمعیت تھی۔ جب حضرت خالد کے آنے کی ان کو خبر ہوئی تو ان کے رئیس اکیدر بن عبد الملک نے ان لوگوں سے کہا کہ میں خالد کو خوب جانتا ہوں ان سے زیادہ مبارک فال اور تیز دست سپہ سالار میں نے نہیں دیکھا۔ کوئی فوج خواہ کم ہو یا زیادہ ممکن نہیں کہ خالد کے مقابلہ میں شکست نہ کھا جائے۔ لہٰذا تم لوگ میری بات مانو اور ان سے صلح کر لو لیکن انھوں نے اس کی بات نہیں مانی۔ وہ ناراض ہو کر ان کو چھوڑ کر نکلا اور اسی نکلنے میں مارا گیا۔

دومتہ الجندل کا محاصرہ ایک طرف سے عیاض نے اور دوسری طرف سے خالد نے کیا محصورین نے تنگ آ کر شکست کھائی اور سوائے بنی کلب کے جو تمیم کے حلیف تھے اور ان کو عاصم بن عمرو تمیمی نے امان دے دی تھی اور کسی کو قتل سے نجات نہ مل سکی۔ اس فتح کے بعد خالد حیرہ واپس چلے آئے یہاں آ کر ان کو معلوم ہوا کہ اہل عجم جمعیت فراہم کر کے پھر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے دو دستے حصید اور خنافس کی طرف روانہ کئے وہاں جس قدر ایرانی جمع ہوئے تھے ان کو ان دستوں نے بھگا دیا۔ خود حضرت خالد مصیخ کی طرف بڑھے وہاں عربی قبائل ان سے لڑنے کے لئے جمع ہوئے تھے ایک ہولناک جنگ پیش آئی جس میں غنیم نے شکست پائی۔

مقام فراض میں جہاں شام۔ عراق اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی ہیں رومیوں ایرانیوں اور عربوں نے مجتمع ہو کر مقابلہ کیا۔ خالد نے ایک ساتھ سب کو شکست دے دی۔ یہ واقعہ ۵ ا ذیقعدہ سنہ ۱۲ھ میں پیش آیا۔ وہاں دس روز رہ کر ۲۵ ذیقعدہ کو عاصم بن عمرو کو حکم دیا کہ وہ فوجوں کو لیکر حیرہ واپس چلیں۔ اپنے کو ظاہر کیا کہ میں ساقہ پر رہوں گا۔ لیکن وہاں سے چند ساتھیوں کو لے کر سیدھے مکہ پہنچے اور حج کر کے حیرہ میں اس قدر جلد واپس آئے کہ ابھی تک فوج کا آخری حصّہ یعنی ساقہ وہاں تک نہیں پہنچ سکا تھا چنانچہ اسی کے ساتھ ہو گئے اور بجز ان اشخاص کے جوان کے ساتھ تھے اور کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ حج کر آئے ہیں۔ حضرت ابوبکر کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو انھوں نے خفگی کا اظہار کیا کہ اس طرح فوج کو چھوڑ کر جانا مناسب نہ تھا۔

اس کے بعد فرمانِ خلافت ملا کہ تم شام کی طرف جاؤ اور اسلامی فوج میں جو یرموک میں ہے شریک ہو۔

حضرت خالد عراق میں ۱۴ مہینے رہے۔ ان کے ساتھ کل دس ہزار فوج تھی اور اسی قدر دیگر اسلامی امرا مثنیٰ وغیرہ کے ساتھ۔ اس قلیل عرصہ میں اور اس قلیل سپاہ کے ساتھ انھوں نے وہ کارہائے نمایاں کئے کہ آج تک دنیا کا کوئی سپہ سالار ایسے کام نہیں کر سکا۔ مقام ابلہ سے فراض تک سارا علاقہ ایران جیسی زبردست سلطنت سے چھین لیا اور ایرانیوں عربوں نیز رومیوں سے متعدد مواقع پر جنگ پیش آئی ہر ایک میں وہ فاتح رہے کسی میں بھی مغلوب نہیں ہوئے جس طرف بڑھتے تھے ان کا نام آگے آگے جاتا تھا اور فتح ساتھ ساتھ خط واپسی کو ہمیشہ محفوظ رکھتے تھے تاکہ دشمن پیچھے سے نہ آسکے اور جب کسی مقام کو فتح کرتے تھے تو وہاں کی رعایا کی اصلاح معاملات وصولی خراج اور امن و امان قائم رکھنے کیلئے امراء اور عمال اپنی طرف سے مقرر کرتے تھے۔ کاشتکاروں اور پیشہ وروں کے ساتھ رحم اور مہربانی کا برتاؤ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ ایرانی حکومت کے مقابلہ میں عربی حکومت کو زیادہ پسند کرنے لگے اور امن و اطمینان کے ساتھ اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ رعایا کے ساتھ جس قدر ان کا برتاؤ نرم تھا اسی قدر دشمنوں کے لئے

وہ سخت تھے جب غنیم کی فوج کو دیکھ لیتے تھے تو صبر نہیں کر سکتے تھے بلکہ فوراً حملہ کر دیتے تھے۔ اور بیشتر ان کے سرداروں سے مقابلہ کر کے ان کا خاتمہ کر دیتے تھے۔ اس کے بعد لڑائی زیادہ طول نہیں کھینچتی تھی۔

الغرض حضرت خالد کے کارنامے فتوحات اسلام کی تاریخ کی پیشانی کا نور ہیں۔

جنگِ روم

شام کے غسانی بادشاہ رومی سلطنت کے زیر اثر تھے۔ اور انھوں نے عیسوی مذہب بھی اختیار کر لیا تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شرحبیل بن عمرو غسانی کے نام دعوت اسلام کا خط حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھ بھیجا تو اس نے ان کو قتل کر ڈالا ان کے قصاص کیلئے ۸ھ میں مدینہ سے تین ہزار فوج بھیجی گئی۔ رومی اور غسانی فوجوں سے جن کی تعداد ایک لاکھ سے کم نہ تھی مقام موتہ میں مقابلہ ہوا۔ اسی لڑائی میں حضرت زید بن حارث اور جعفر طیار وغیرہ شہید ہوئے تھے۔ آخر میں حضرت خالد اس قلیل فوج کو غنیم کے نرغہ میں سے نکال لائے اور واپس چلے آئے۔ اس کے بعد غسانیوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کی۔ قیصر روم نے بھی ان کی امداد کیلئے چالیس ہزار فوج دی آنحضرتؐ اس کی خبر پا کر تیس ہزار فوج لے کر ۹ھ میں خود تبوک تشریف لے گئے۔ لیکن وہ لوگ مقابلہ کے لئے نہ آئے۔

مدینہ میں غسانیوں کی طرف سے متوحش خبریں پہنچا کرتی تھیں۔ اور ہر وقت ان کے حملہ کا خطرہ رہتا تھا۔ اس وجہ سے آنحضرت نے دو بارہ ۱۱ھ میں ایک لشکر ان کے مقابلہ کے لئے تیار کیا اور اس کا سردار اسامہ کو مقرر کیا جن کے باپ حضرت زید سریہ موتہ میں سپہ سالار تھے اور شہید ہو گئے تھے۔ یہ لشکر آپ کی علالت کی وجہ سے رک گیا۔ وفاتِ نبوی کے بعد حضرت ابوبکر نے اس کو بھیجا لیکن اس سے غسانیوں اور رومیوں کا جو خطرہ تھا اس میں کمی نہیں آئی۔ کیونکہ وہ ایک نہ ایک دن مدینہ پر حملہ کرنے کے واسطے تیار تھے۔

اس لئے حضرت ابوبکر نے ۱۲ھ کے آخر میں چار بڑے سپہ سالار منتخب کئے۔

عمرو بن عاص۔ یزید بن ابی سفیان۔ ابو عبیدہ بن الجراح اور شرجبیل بن حسنہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ایک فوج نامزد کی۔ اور ان کے راستے متعین کرکے شام کی طرف روانہ کیا۔

حضرت عبیدہ حمص۔ عمرو فلسطین۔ یزید دمشق اور شرجبیل اردن کی طرف بھیجے گئے۔ اس تمام فوج کی تعداد جو ان چاروں سپہ سالاروں کے ساتھ تھی ۳۶ ہزار تھی۔

جب رومیوں کو اسلامی فوج کی آمد کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے مقابلہ کی فکر کی ہرقل اس زمانہ میں حمص میں مقیم تھا۔ اس نے یہ بھی سنا کہ اسلامی فوج الگ الگ چار حصوں میں منقسم ہے اس لئے یہ کوشش کی کہ یہ فوجیں مجتمع نہ ہونے پائیں۔ اور ہر ایک حصہ کے مقابلہ میں اس سے دُگنی تعداد میں فوج بھیج دی جائے۔ مسلمان امراء کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے باہم خط و کتابت کی اور عمرو بن عاص سے پوچھا کہ تمھاری کیا رائے ہے۔ انھوں نے ہر ایک کو یہ لکھا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہم سب ایک جگہ مجتمع ہو جائیں۔ یہ رائے سب لوگوں نے پسند کی۔ اطلاعاً ایک تحریر خلیفہ کے پاس بھیجی گئی۔ انھوں نے بھی منظور کیا اور لکھا کہ سب لوگ یرموک میں پہنچ کر مل جائیں اور ہر ایک اپنی اپنی فوج کو نماز پڑھائے۔

ہرقل نے اپنے حقیقی بھائی تذارق کو ۹۰ ہزار فوج دے کر عمرو بن عاص اور جرجہ کو بھی اسی قدر جمعیت کے ساتھ یزید بن ابی سفیان اور دراقص کو شرجبیل اور فیقار کو ۶۰ ہزار لشکر کے ساتھ ابو عبیدہ کے مقابلہ میں بھیجا تھا۔ مگر جب اس کو مسلمانوں کے اجتماع کا حال معلوم ہوا تو اس نے بھی ان فوجوں کو حکم بھیجا کہ مجتمع ہو کر لڑیں۔ بمقام واقوصہ میں وہ تمام فوجیں آکر جمع ہوئیں۔ ان کے ایک طرف دریا اور پس پشت پہاڑ تھا۔ اس محفوظ مقام کو انھوں نے اس وجہ سے پسند کیا تھا کہ مسلمانوں کی طرف سے ان کے دل مطمئن اور بے خوف ہو جائیں رومی فوج کی کل تعداد امام طبری کے بیان کے مطابق دو لاکھ چالیس ہزار تھی۔

اسلامی فوج نے بھی یرموک سے بڑھ کر ان کے سامنے مورچہ جما لیا۔ اب رومی فوج بالکل محصور ہو گئی۔ اور ان کے آنے جانے کا کوئی راستہ نہیں رہا۔ یہ حالت ماہ صفر سے لے کر ربیع الثانی

تک رہی مسلمانوں نے دربار خلافت سے امداد طلب کی۔ حضرت ابوبکر نے حضرت خالد کو لکھا کہ وہ عراق کی مہم پر مثنیٰ بن حارثہ کو چھوڑ کر خود شام میں جا کر مسلمانوں کی مدد کریں وہ دس ہزار فوج لے کر تیزی کے ساتھ روانہ ہوئے۔

جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ مسلمان امراء اگرچہ ایک جگہ مجتمع ہیں لیکن اپنی اپنی فوجیں لے کر الگ الگ دشمنوں سے جنگ کرتے ہیں۔ نیز ان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ رومی عنقریب ایک متفقہ حملہ کرنے والے ہیں اس وجہ سے اسلامی فوج کے امراء کو جمع کیا اور کہا کہ :-

• آج کا دن ایک ایسا دن ہے کہ جو ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس میں فخر اور شرافت کے خیال کو چھوڑ کر صرف اللہ کے لئے کوشش کرنی چاہیئے۔ دشمن ترتیب اور نظام کے ساتھ آمادۂ جنگ ہے اس لئے ہم کو مناسب نہیں ہے کہ ہم متفرق اور منتشر ہو کر جنگ کریں لہذا وہ رائے قرار دو جو مناسب ہے۔

لوگوں نے کہا کہ آپ اپنی رائے ظاہر کیجیے۔ انھوں نے کہا کہ :-

میری رائے یہ کہ ہم الگ الگ نہ لڑیں بلکہ سب ایک امیر کے ماتحت ہو جائیں۔ اس سے کسی کی شان میں فرق نہیں پڑے گا۔ اور نہ اللہ اور نہ خلیفۂ رسول کے نزدیک اس کا رتبہ گھٹ جائے گا۔ رومی ہمارے اوپر حملہ کرنے کے لئے تیار ہیں اگر ہم نے ان کو پیچھے دھکیل دیا تو پھر برابر ان کو دباتے چلے جائیں گے۔ اور اگر خدانخواستہ انھوں نے ہم کو شکست دے دی تو پھر ہمارا کہیں ٹھکانا نہیں رہے گا مناسب یہ ہے کہ ہم باری باری سے امیر ہوں۔ ایک شخص آج۔ دوسرا کل اور تیسرا پرسوں۔ اور آج کے روز تمام فوج کا امیر مجھ کو بنا دو۔

سب لوگوں نے اس بات کو منظور کیا حضرت خالد نے فوج کو اس طرح ترتیب دیا کہ عربی فوج اس سے پہلے کبھی اس طرح پر مرتب نہیں کی گئی تھی۔ انھوں نے سارے لشکر کو ۴۰ دستوں میں تقسیم کیا۔ ۱۰ دستے قلب میں رکھے اور وہاں ابو عبیدہ کو متعین کیا دس دستے میمنہ پر اور ان کا سردار عمرو بن عاص اور شرجیل کو بنایا اور دس دستے میسرہ پر یزید بن ابی سفیان کی سرکردگی

میں رکھے ہر ہر دستے پر ایک ایک کارآزمودہ امیر مقرر کیا جو میمنہ یا میسرہ یا قلب کے سپہ سالاروں کے احکام پر اپنے دستہ کو حرکت دے ابوسفیان بن حرب کو نقیب ابو درداء کو قاضی اور مقداد کو قاری مقرر کیا۔

اسلامی فوج میں یہ قاعدہ تھا کہ جنگ سے پیشتر سورۂ انفال سنائی جاتی تھی۔ یہ کام قاری کا تھا۔ نقیب اپنی تقریر سے فوج کے جوش کو بڑھاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوسفیان ہر ہر دستہ کے سامنے کھڑے ہو کر فرماتے تھے۔

اللہ اللہ! اے جوانان عرب اور حامیان اسلام ہو اور وہ رومی سپاہی اور شرک کے مددگار ہیں۔ یا اللہ! آج کا دن ایک یادگار دن ہے تو اپنی مدد اپنے بندوں پر نازل فرما۔

اسلامی فوج کے ایک شخص نے حضرت خالد سے کہا کہ رومیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور مسلمان کم ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ مسلمان بہت زیادہ اور رومی بہت کم ہیں۔ فوج کی کمی یا زیادتی تعداد پر نہیں بلکہ فتح اور شکست پر ہے۔

رومیوں نے بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں نہایت شان کے ساتھ صف آرائی کی حضرت خالد نے قلب کے دونوں بازوؤں کو جن پر عکرمہ بن ابی جہل اور قعقاع بن عمرو تھے حکم دیا کہ تیراندازی کریں۔ اس کے بعد عام حملہ کیا وہ خود قلب کے آگے تھے اپنی فوج کو لئے ہوئے رومی سواروں اور پیادوں کے درمیان میں پہنچ گئے۔ پہلے غنیم کے سواروں نے شکست کھائی اور ایک طرف بھاگ نکلے مسلمان اپنی جگہ پر جمے رہے اور ان کو بھاگنے کا راستہ دے دیا۔ اس کے بعد تمام اسلامی فوجیں پیادوں پر ٹوٹ پڑیں اور ان کو پیچھے ہٹا دیا۔ چونکہ ان کے پس پشت پہاڑ تھا اس لئے ادھر راستہ نہ ملا بہت سے مارے گئے اور بقیہ دریا کی طرف پلٹے۔ مسلمانوں نے ان کو یہاں تک دبایا کہ طبری کے بیان کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار پانی میں غرق ہو گئے۔

لڑائی دن بھر اور رات بھر جاری رہی۔ اور جب صبح ہوئی تو حضرت خالد رومی سپہ سالار کے خیمہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔

بہت سے مسلمانوں نے اس جنگ میں نمایاں کام انجام دیا عکرمہ نے چلا کر کہا کہ میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑتا رہا کیا آج ان رومیوں سے بھاگوں گا۔ کون ہے جو میرے ہاتھ پر موت کی بیعت کرے۔ یہ سنکر حارث اور ضرار بن ازور وغیرہ چار سو بہادر جانباز مسلمانوں نے بیعت کی اور رات بھر خالد کے خیمہ کے سامنے لڑتے رہے۔ ان کے صبر و ثبات کا عالم یہ تھا کہ سب کے سب زخموں سے چور تھے۔ صبح کے وقت حضرت عکرمہ اور ان کے بیٹے عمرو اٹھا کر حضرت خالد کے پاس لائے گئے۔ انہوں نے دونوں کا سر اپنی ران پر رکھا۔ ان کے چہروں سے خاک جھاڑتے تھے اور حلق میں پانی ٹپکاتے تھے۔ اسی حالت میں ان کی روحیں عالم قدس کو پرواز کر گئیں۔

مسلمان خواتین بھی اس جنگ میں اپنا دستہ الگ بنا کر رومیوں سے لڑیں بہت سے کافروں کو تہ تیغ کیا۔ دن نکلتے نکلتے رومیوں سے میدان صاف ہو گیا۔ مسلمان شہدا کی تعداد تین ہزار تھی۔

اس شکست کی خبر جب ہرقل کو پہنچی تو حمص سے چلا گیا۔ اور کہا کہ اے ملکِ شام تجھکو یہ میرا آخری سلام ہے۔

رومیوں نے اسلامی فوج کا حال دریافت کرنے کے لئے ایک عرب جاسوس بھیجا تھا جب وہ واپس گیا تو اس نے جو الفاظ مسلمانوں کی نسبت کہے وہ یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ اس نے کہا کہ:-

> وہ لوگ رات میں فرشتے اور دن میں دیو ہیں۔ حق پرستی کا یہ عالم ہے کہ اگر ان کا شہزادہ بھی چوری کرے تو ہاتھ کاٹ لیتے ہیں اور زنا کرے تو سنگسار کر دیتے ہیں۔

اثنار جنگ میں مدینہ سے ایک قاصد خط لے کر آیا جس میں حضرت ابوبکر صدیق کی وفات اور حضرت عمر کی خلافت کی اطلاع تھی۔ نیز یہ کہ حضرت خالد سپہ سالاری سے معزول اور ابوعبیدہ ان کے بجائے سپہ سالار عام کئے گئے۔

حضرت خالد نے یہ خط حضرت ابوعبیدہ کو مخفی طور پر دکھلا دیا اور اس خیال سے اشاعت نہیں کی کہ فوج میں بددلی نہ پیدا ہو جائے۔ جب فتح حاصل ہو چکی تو اس خط کا اعلان کیا اور ابوعبیدہ کو امیر تسلیم کیا۔

یہاں یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ اسلامی فوج جس کی تعداد صرف چھیالیس ہزار تھی کس طرح اپنے سے پانچ گنی رومی فوج پر غالب آگئی حالانکہ رومی فوج باقاعدہ مرتب سازو سامان سے درست جنگ دیدہ اور کار آزمودہ تھی اور ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ ایرانیوں پر نمایاں فتح حاصل کر چکی تھی۔

اس کا سبب جہاں تک معلوم ہوتا ہے یہ تھا کہ مسلمان سپاہی جو ان جنگوں میں شریک ہوتا تھا اس کے قلب کو اطمینان حاصل ہوتا تھا کہ انجام کار فتح ہماری ہوگی۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیات اور آنحضرتؐ کے اقوال سے ان فتوحات عظیمہ کی بشارتیں اس کے کانوں میں پڑ چکی تھیں یہ اطمینان قلب اس کے حق میں تائید آسمانی کا کام دیتا تھا علاوہ بریں وہ اس بات پر کامل یقین رکھتا تھا کہ جنگ میں کام آگیا تو شہید نہیں تو غازی ہوگا۔ لہٰذا اس کو نہ تو موت کی پروا ہوتی تھی نہ وہ کسی خطرہ سے جی چراتا تھا۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ ان لڑائیوں میں مسلمانوں کو سپہ سالار بھی ایسے مل گئے تھے کہ دنیا کی تاریخ ان کی نظیر نہیں پیش کر سکتی خود حضرت خالد کو دیکھئے ان کے کارنامے صدر اول کی تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں۔

حضرت ابوبکر کے عہد خلافت میں جو سوا دو سال تھا رومیوں اور ایرانیوں پر فتوحات کا سلسلہ یہیں تک پہنچا تھا۔

نظام داخلی

خلیفہ اول کے عہد میں صرف جزیرۂ عرب اسلامی انتظام کے ماتحت تھا شام وعراق میں جنگ قائم تھی۔ وہاں کے مفتوحہ علاقوں کا انتظام خود امراء لشکر کے متعلق تھا۔

کل عرب دس حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر حصہ میں خلیفہ کی طرف سے ایک امیر مقدمات کے فیصلہ۔ حدودِ شرعیہ کے اجراء اور نماز کے لئے مقرر تھا۔ خود وہی امیر اور وہی قاضی بھی ہوتا تھا۔ صوبوں کی تفصیل مع امراء کے حسب ذیل ہے۔

(۱) مکہ یہاں کے امیر عتاب بن اسید تھے جو زمانۂ رسالت میں مقرر ہوئے تھے۔

(۲) طائف عثمان بن ابی العاص یہ بھی عہد رسالت سے مامور تھے۔
(۳) صنعا مہاجر بن ابی امیہ نے ردّ کے بعد جب اس کو فتح کیا تو یہاں کے والی مقرر کیے گئے۔
(۴) حضرموت ۔ زیاد بن لبید
(۵) خولان ۔ یعلیٰ بن امیہ
(۶) زبید (یمن) ابوموسیٰ اشعری
(۷) جند ۔ معاذ بن جبل
(۸) جرش ۔ عبداللہ بن ثور
(۹) بحرین ۔ علاء بن حضرمی
(۱۰) نجران ۔ جریر بن عبداللہ بجلی۔

حضرت ابوبکر نے کسی کو وزیر نہیں بنایا تھا۔ صرف حضرت عمر ان کے مشیر تھے اور مقدمات کے بھی فیصلے کیا کرتے تھے۔ حضرت عبیدہ جب تک شام کی مہم پر نہیں بھیجے گئے تھے امین بیت المال رہے۔ فرامین حضرت زید بن ثابت لکھتے تھے اور خطوط اور حالات وغیرہ حضرت عثمان یا جو کوئی حاضر ہو۔

خلیفہ کا گذارہ

خلافت سے قبل حضرت ابوبکر کا ذریعہ معاش تجارت تھی خلیفہ ہو جانے کے بعد چھ مہینہ تک وہ تجارت کرتے رہے اور اسی سے اپنا کام چلاتے رہے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ خلافت کی مہمات سے تجارت کی فرصت نہیں مل سکتی تو اس کو چھوڑ دیا۔

ان کے معمولی اخراجات اور عیال کے گذارہ کے لئے بیت المال سے چھ ہزار درہم یعنی تقریباً ڈیڑھ ہزار روپیہ سالانہ مقرر کیا گیا جب ان کی وفات کا وقت آیا تو وصیت کی کہ میری فلاں زمین بیچ کر وہ ساری رقم جو آج تک بیت المال سے وصول ہوئی ہے واپس کر دی جائے ان کا خیال غالباً یہ تھا کہ جو رقم میں نے لی ہے اس کے مطابق امت کی خدمت نہیں کر سکا۔

حضرت عمرؓ نے کہا کہ ابوبکرؓ نے اپنے بعد آنے والے خلفاء پر بڑا بوجھ ڈال دیا۔

بیت ابوبکرؓ

اسلام سے پہلے انہوں نے دو نکاح کئے تھے۔ ایک قتیلہ بنت عبدالعزے سے جو قبیلۂ قریش میں سے تھیں۔ ان سے عبداللہ پیدا ہوئے۔ پھر حضرت اسماء جن کا لقب ذات النطاقین ہے قتیلہ چونکہ اسلام نہیں لائیں اس لئے اُن کو طلاق دے دی۔

زمانہ اسلام میں بھی دو نکاح کئے پہلا اسماء بنت عمیس کے ساتھ جو حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوہ تھیں۔ ان سے محمد پیدا ہوئے۔ دوسرا حبیبہ بنت خارجہ سے جو قبیلہ خزرج میں سے تھیں ان کے بطن سے ایک بیٹی ام کلثوم حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔

وفات

۷ جمادی الثانی ۱۳ھ کو بخار آیا اور دو ہفتہ تک برابر آتا رہا۔ ۱۲ جمادی الثانی ۱۳ھ مطابق ۲۲ اگست ۶۳۴ء کو شام کے وقت انتقال فرمایا۔ عمر ۶۳ سال کی تھی مدت خلافت دو سال تین ماہ دس روز نماز جنازہ حضرت عمرؓ نے پڑھائی۔ اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں اس طرح کہ ان کا سر آنحضرتؐ کے دوش مبارک کے بالمقابل رہے دفن کئے گئے۔

فضائل ابوبکرؓ

تمام مورخ متفق ہیں کہ حضرت ابوبکر بڑے دولتمند اور مکہ میں نہایت معزز و محترم تھے انساب قریش اور ان کے حالات سے سب سے زیادہ باخبر تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مردوں میں سے سب سے پہلے یہی اسلام لائے اور اپنی دولت آنحضرت کی خدمت اور حمایت میں صرف کر دی۔ انھیں کی کوشش سے بڑے بڑے سرداران قریش اسلام لائے ہجرت کے موقع پر آنحضرت کی رفاقت کی تمام فضیلتیں ان ہی کو حاصل ہوئیں۔ مدینہ تک رفیق طریق رہے اور اپنا بقیہ سرمایہ بھی ساتھ لیتے گئے کہ آنحضرت کے کام آئے گا چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ہر شخص کے احسان کا بدلہ دنیا میں ادا کر دیا لیکن ابوبکرؓ کے احسانات مجھ پر باقی رہ گئے۔

اُن کا بدلہ ان کو قیامت میں اللہ تعالیٰ دے گا تقویٰ ۔ زہد عقل اور متانت میں بھی وہ ممتاز تھے۔
انھیں فضائل کی وجہ سے وہ اس امت کے تمام لوگوں سے بلکہ بعد انبیاء کے کل بنی نوع انسان سے افضل تسلیم کئے گئے اور اس کی پوری شہادت ان کے کارناموں سے ملتی ہے۔ فتنۂ ارتداد کو جس اولوالعزمی اور دانشمندی کے ساتھ تھوڑی مدت میں انھوں نے مٹادیا وہ انکی اس عظمت اور فوقیت کا جو جماعت صحابہ پر ان کو حاصل تھی نمایاں ثبوت ہے۔ رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

جب حضرت ابوبکر بیمار ہوئے اور ان کو اپنی موت کا احساس ہوا تو مصلحت اُمت کے خیال سے ان کی یہ رائے ہوئی کہ کسی کو خلیفہ منتخب کر جائیں۔ ان کے نزدیک حضرت عمر بن خطّاب خلافت کیلئے زیادہ موزوں تھے۔ لیکن مزید احتیاط کے خیال سے بڑے بڑے صحابہ سے بھی اس امر میں مشورہ لینا زیادہ مناسب سمجھا۔
سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا اور پوچھا کہ عمر کی نسبت تمھاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں ان کو سب سے افضل سمجھتا ہوں لیکن ان کے مزاج میں کسی قدر سختی ہے۔ فرمایا کہ وہ سختی اس لئے کرتے ہیں کہ مجھکو نرم دیکھتے ہیں۔ اگر خلافت اُن کے سپرد کر دی جائے گی تو ان کی سختی خود بخود کم ہو جائے گی۔ پھر حضرت عثمان کو بلایا اور ان سے بھی یہی سوال کیا۔ انھوں نے کہا کہ میری بہ نسبت آپ خود ان سے زیادہ واقف ہیں۔ حضرت ابوبکر نے اصرار کیا کہ تم اپنا خیال ان کے بارہ میں ظاہر کرو۔ انھوں نے کہا کہ میں جہاں تک جانتا ہوں انکا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے اور ہم میں سے کوئی شخص اُن کے برابر نہیں۔ اس کے بعد اور لوگوں سے بھی دریافت کیا۔
الغرض بعد مشورہ یہی رائے قرار پائی کہ حضرت عمر خلیفہ بنائے جائیں۔ ایک روز صحابہ حضرت ابوبکر کے مکان کے پاس جمع تھے۔ وہ بیماری میں ایک شخص کے سہارے سے اپنے بالاخانہ پر چڑھے اور ان سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ :-

کیا تم اس شخص کو پسند کروگے جس کو میں تمہارے لئے مقرر کردوں میں نے غور اور مشورہ میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے اور اپنے کسی قرابت دار کو نہیں تجویز کیا ہے بلکہ عمر کو اپنا جانشین بناتا ہوں۔ سب لوگوں نے کہا کہ ہم کو منظور ہے۔ اس کے بعد حضرت عثمان کو بلایا اور مندرجہ ذیل عہد نامہ لکھوایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ عہد نامہ ابوبکر بن قحافہ کی آخری زندگی کا ہے جب کہ وہ دنیا سے سفر کر رہا ہے اور آخرت کی پہلی منزل میں داخل ہو رہا ہے۔ یہ ایسی ساعت ہے کہ جس میں کافر بھی مومن اور فاجر بھی عقیدتمند اور جھوٹا بھی سچا ہو جاتا ہے میں نے تمہارے واسطے عمر کو خلیفہ منتخب کیا لہٰذا ان کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو اس امر میں اللہ اور رسول کی اطاعت نیز اپنی ذات اور خود تمہاری خیر طلبی کی میں نے پوری کوشش کی ہے اگر وہ عدل کریں تو ان کی نسبت میرا یہی گمان اور یہی علم ہے اور اگر اس کے خلاف کریں تو ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ میری نیت خیر خواہی کی ہے۔ باقی میں غیب نہیں جانتا۔

پھر حضرت عمر کو نصیحتیں اور ہدائتیں کہیں اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔
حضرت عمر کی خلافت کی ابتدا یوم سہ شنبہ ۲۲ جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ مطابق ۲۲ اگست سنہ ۶۳۴ء سے ہوئی۔

ترجمۂ عمرؓ

حضرت عمر بن خطاب بن نفیل قبیلہ قریش کی شاخ بنی عدی میں سے تھے ان کی والدہ خنتمہ بنت ہشام مخزومی تھیں۔ آنحضرت کی ولادت کے تیرہ سال بعد پیدائش ہوئی۔ ابتدا ہی سے شہامت جرأت اور حق گوئی میں ممتاز تھے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اول اول یہ رسالت کے قائل نہ ہوئے بلکہ مسلمانوں کے مخالف ہو کر ان کو ایذا دینی شروع کی جس مسلمان پر قابو چلتا اس کو مارتے اور ستاتے۔ ایک دن اس بات پر تیار ہوئے کہ جا کر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں۔ آنحضرت اس روز ارقم مخزومی کے مکان میں مسلمانوں کے ساتھ تھے یہ تلوار لے کر اسی طرف

روانہ ہوئے۔ راستہ میں معلوم ہوا کہ خود ان کی بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں اسی غصہ میں بہن کے گھر میں پہنچے، وہ اس وقت قرآن کی ایک سورۃ جو قرطاس پر لکھی ہوئی تھی پڑھ رہی تھیں ان کو دیکھ کر وہ اوراق چھپا دئے۔ انھوں نے پوچھا کہ تم کیا پڑھ رہی تھیں۔ اور میں نے سنا ہے کہ تم نے آبائی دین کو چھوڑ دیا۔ یہ کہہ کر ان کو مارا یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا اور بدن خون سے رنگین ہو گیا انھوں نے جوش میں آکر کہا کہ میں بیشک مسلمان ہو گئی ہوں اور اس دین کو کسی طرح نہیں چھوڑ سکتی۔

بہن کا خون دیکھ کر غصہ کم ہوا قرآن کے اوراق مانگ کر پڑھنا شروع کیا۔ ہدایت کا وقت آچکا تھا۔ توفیق الٰہی شامل حال ہوئی۔ ان کے پڑھتے ہی اسلام کی حقانیت دل میں بیٹھ گئی اور آنحضرت کی خدمت میں جا کر مسلمان ہو گئے۔

اگرچہ ان سے پہلے چالیس پچاس آدمی مسلمان ہو چکے تھے لیکن انھی کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو طاقت اور شوکت حاصل ہوئی یہ اہل قریش سے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو گئے اور ان کی بدولت مسلمان خانہ کعبہ میں جہاں وہ اس سے پہلے جانے پہ مار کھاتے تھے نماز پڑھنے لگے۔

جب ہجرت مدینہ شروع ہوئی تو مسلمان کافروں کے خوف سے مخفی طور پر مکہ سے نکل کر جاتے تھے لیکن حضرت عمرؓ بیس مسلمانوں کو ساتھ لے کر علانیہ نکلے اور قریش کو مخاطب کرکے فرمایا کہ میں ہجرت کرتا ہوں جس کو منظور ہو کہ اس کی ماں اس پر نوحہ کرے وہ اس وادی میں آکر مجھ کو روکے۔ کسی کافر کی ہمت نہ پڑی کہ سامنے جاتا۔

ہجرت کے بعد آنحضرتؐ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے بعض بعض امور میں حضور کو مشورے بھی دیتے تھے اور کئی بار آیاتِ قرآنی ان کے مشورہ کے مطابق نازل ہوئیں۔

یہ اور حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بمنزلہ دو وزیروں کے تھے آنحضرتؐ نے ان کے ساتھ اپنا رشتہ بھی قائم کیا اور ان کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ سے ان کے شوہر کے مقتول ہو جانے کے بعد نکاح کر لیا۔

خلیفہ اول کے زمانہ میں بھی یہ بطور مشیر کے رہے۔ فیصل قضایا کا کام بھی انھی کے سپرد

تھا ان کی صحت پر ان میں تامل اور دور اندیشی کی صفت زیادہ بڑھ گئی اور مزاج میں کسی قدر نرمی آگئی۔

خطبۂ خلافت

خلیفۂ اول کی وفات کے بعد جب ان کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی تو منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:۔

عرب کی مثال اس اونٹ کی ہے جو اپنے ساربان کا مطیع ہو اس کے رہنما کا یہ فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ اس کو کس طرف لے جا رہا ہے۔ میں رب کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم کو سیدھے راستہ پر لے چلوں گا۔

اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امت اسلامیہ کی اس عہد میں کس قدر صحیح تشخیص انھوں نے کی کیونکہ وہ ایک فرمانبردار جماعت تھی۔ جو حکم دیا جاتا تھا وہی کرتی تھی اور جس بات کی ممانعت کی جاتی تھی اس سے باز رہتی تھی۔ اس لئے ساری ذمہ داری خلیفۂ امت پر عائد ہوتی تھی کہ وہ کس راستہ پر اس کو لے چلتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے قسم کھا کر کہا کہ میں سیدھے راستہ پر لے چلوں گا۔

فتوحات

ایران

حضرت ابوبکر نے خالد بن ولید کو عراق سے جب شام کی طرف بھیج دیا اور نصف فوج لے کر وہ روانہ ہو گئے تو مثنیٰ بن حارثہ باقی نصف فوج کو لئے ہوئے حیرہ میں مقیم رہے بہمن جادویہ لشکر لے کر ان کے مقابلہ کے لئے آیا۔ بابل کے قریب مثنیٰ نے اس کے سامنے صف آرائی کی سخت جنگ کے بعد اس کو شکست دی اور مدائن تک تعاقب کیا۔ پھر حیرہ میں واپس آگئے۔ اس عرصہ میں دربار خلافت سے کسی قسم کی اطلاع اور مدد نہ پہنچی اور ان کو یہ معلوم ہوا کہ ایرانی ایک جرار لشکر ہمارے مقابلہ کے لئے تیار کر رہے ہیں اس لئے بشیر بن خصاصیہ کو اپنی جگہ مقرر کر کے خود مدینہ آئے کہ خلیفہ کو ان باتوں کی اطلاع دیں اور ان سے درخواست کریں کہ جو مسلمان مرتد ہو گئے تھے اور اب انکی توبہ اور ندامت ظاہر ہو چکی۔ ان کو جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دی جائے

جس روز مدینہ پہنچے وہ حضرت ابوبکر کی زندگی کا آخری دن تھا۔ انھوں نے ان حالات کو سُن کر حضرت عمر کو تاکید کی کہ مثنیٰ کے لئے فوج جمع کرنا۔

حضرت عمر کی بیعت کے لئے جب دیار اور امصار کے لوگ آئے تو انھوں نے ان کے مجمع میں وعظ فرمایا اور ان کو جہاد کی ترغیب دلائی۔ عربوں پر چونکہ زمانہ قدیم سے ایرانیوں کا رُعب چھایا ہوا تھا اس لئے ان کے مقابلہ میں جانے سے ڈرتے تھے مثنیٰ نے اٹھ کر کہا کہ:۔

لوگو! تم ایرانیوں کو خاطر میں نہ لاؤ، ہم نے ان کو آزمالیا ہے اور ان کے اوپر غالب رہے ہیں ان کے زرخیز علاقے ہم نے چھین لئے ہیں۔ اور وہ ہم سے دب گئے ہیں۔

اس کے بعد پھر حضرت عمر نے لوگوں کو جوش دلایا۔ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کردے گا۔ لہٰذا مسلمان فتح پاکر رہیں گے۔ روئے زمین انھیں کی وراثت ہے۔ اللہ کے نیک بندے کدھر ہیں!

سب سے پہلے حضرت ابو عبید ثقفی نے کہا کہ میں اس کے لئے تیار ہوں۔ ان کے بعد بہت سے لوگ آمادہ ہو گئے۔ حضرت عمر نے ابو عبید ہی کو سب کا سردار مقرر کیا۔ کیونکہ وہی سب سے پہلے اس جنگ کے لئے تیار ہوئے تھے لیکن چونکہ وہ صحابی نہ تھے اور اس جمعیت میں بہت سے صحابہ شریک ہو گئے تھے۔ اس وجہ سے لوگوں کو یہ اعتراض پیدا ہوا کہ صحابہ رسول کے ہوتے ہوئے غیر صحابی کو کیوں امیر بنایا جائے۔ حضرت عمر نے اس تقرر میں تبدیلی کرنی مناسب نہ سمجھی۔ مگر ابو عبید کو یہ تاکید کردی کہ تمہارے ساتھ صحابہ ہیں ان کی بات سننا اور ان کو مشوروں میں شریک کرنا۔

اس زمانہ میں ایران کے تخت پر ملکہ آرزمی دخت تھی اس نے فارس کے ایک نامور سپہدار رستم کو کل فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ اور جنگ کے تمام اختیارات اس کے سپرد کردیئے۔

رستم نے پہلا کام یہ کیا کہ عراق کے دیہاتوں میں ہر طرف اپنے آدمیوں کو بھیج کر ایرانیوں کو مذہبی اور قومی حمیت کا جوش دلایا اور مسلمانوں سے برگشتہ کردیا۔ یہاں تک کہ فرات کے سواحل کے علاقے جو اسلامی قبضہ میں آچکے تھے پھر ہاتھ سے نکل گئے۔

ایران سے دو فوجیں نرسی اور جاپان کی ماتحتی میں روانہ ہوئیں۔ جاپان نمارق میں پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ ابو عبیدؓ نے آگے بڑھ کر پہلے ہی حملہ میں اس کو شکست دے دی

جاپان کو قبیلہ ربیعہ کے ایک معمولی عرب نے جو اس کو پہچانتا بھی نہ تھا گرفتار کر لیا۔ جاپان نے اس سے کہا کہ میں بڈھا ہوں تمہارے کس کام آؤں گا۔ تم اگر مجھے امان دے دو تو میں تم کو دو جوان غلام دوں گا اس نے امان دے دی۔ لوگوں نے جب اس کو دیکھا تو پہچان لیا کہ یہی سالار فوج ہے پکڑ کر ابو عبیدہ کے پاس لے گئے اور کہا کہ اس نے فریب دے کر امان لے لی ہے۔ ایسے دشمن کو ہم نہیں چھوڑ سکتے۔ ابو عبیدؓ نے کہا کہ جب ایک مسلمان اس کو امان دے چکا تو اب بدعہدی کسی صورت سے جائز نہیں ہے اس کے بعد اس کو اس کی فرودگاہ تک پہنچا دیا۔

ایرانیوں کی یہ شکست خوردہ فوج مقام کسکر میں نرسی کے لشکر میں جا کر شامل ہوگئی ابو عبید اس طرف بڑھے اور مقام سقاطیہ میں لڑ کر اس کو ہزیمت فاش دی۔

اس اطراف کے رؤساء اور دہاقین ابو عبید کے مطیع ہوگئے۔ ایک دن بطور تحفہ کے ان کے لئے قسم قسم کے کھانے پکوا کر لائے۔ لیکن انھوں نے کہا کہ یہ فوج جو خوں بہانے میں میرے ساتھ شریک ہے بلا اس کی شرکت کے میں تنہا کوئی چیز نہیں کھا سکتا۔

رستم کو جب اس شکست کی خبر ملی تو اس نے بہمن جادویہ کے ہمراہ پھر ایک فوج بھیجی اور اس کو درفش کاویانی جو ایرانیوں کے نزدیک فتح کا نشان تھا اور فریدوں کے وقت سے خزانہ میں بطور تبرک کے محفوظ تھا عطا کیا۔

فرات کے مشرقی ساحل پر یہ فوج اتری۔ دوسری جانب اسلامی لشکر تھا۔ بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تو تم دریا کو عبور کر کے اس طرف آؤ یا ہم کو اس طرف آنے دو۔

ابو عبید نے کہا کہ ہم خود اس طرف چل کر لڑیں گے۔ سرداران فوج نے جن میں مثنیٰ وغیرہ بھی تھے۔ ان کی رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ اس صورت میں ہماری فوج تباہ ہو جائے گی لیکن ابو عبید نے نہیں مانا۔ بالآخر کشتیوں کا پل باندھ کر اسلامی فوج دریا کے اس پار گئی۔

ایرانی لشکر میں بہت سے دیوپیکر ہاتھی تھے جن پر گھنٹے بندھے ہوئے تھے۔ عربی گھوڑے ان کو دیکھ کر ٹھہر نہ سکے مجبوراً عرب گھوڑوں پر سے کود کر پیادہ ہو گئے۔ ہاتھیوں کے ہودوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر سواروں کو خاک پر گرا دیا خود ابو عبید پیل سفید پر جو سب سے بڑا تھا حملہ آور ہوئے۔ تلوار اس کی سونڈ پر وار کیا۔ اس نے بڑھ کر ان کو گرا دیا اور سینہ پر پاؤں رکھ دیا جس سے پسلیاں چور چور ہو گئیں۔

ایرانی چیرہ دستی کے ساتھ بڑھے چلے آتے تھے۔ اور مسلمان پیچھے ہٹ رہے تھے۔ بنی ثقیف کے ایک شخص نے اس نیت سے کہ مسلمان واپسی کا خیال چھوڑ دیں اور ثابت قدمی کے ساتھ لڑیں جا کر پل کی رسیاں کاٹ دیں۔ اب جو مسلمان ہٹتے ہوئے دریا کے کنارے پہنچے تو پل موجود نہیں تھا تقریباً چار ہزار آدمی دریا میں غرق ہو گئے یہ دیکھ کر مثنیٰ دیوار آہن کی طرح ایرانیوں کے مقابلہ میں جم گئے۔ اور ان کو روکے رکھا۔ پھر پل بندھوا دیا۔ اور بقیہ فوج کو پار اتار لائے۔ لیکن نو ہزار میں سے صرف تین ہزار بچے تھے۔

اس واقعہ کو دیکھ کر یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ابو عبید کا رؤسا رفوج کی رائے سے مخالفت کرنا جو کار آزمودہ تھے مناسب نہ تھا۔ اسی کے ساتھ دوسری غلطی عبد اللہ بن مرثد ثقفی سے ہوئی جس نے پل کاٹ کر واپسی کا راستہ بند کر دیا۔ اگر مثنیٰ ثابت قدمی کے ساتھ نہ جم گئے ہوتے تو یقیناً تمام اسلامی فوج میں سے کوئی نہ بچتا۔

یہ خبر جس وقت حضرت عمر کو ملی تو انہوں نے مسلسل فوجیں مثنیٰ کی امداد کے لئے روانہ کیں جریر بن عبد اللہ کو ان کے قبیلہ کے لوگوں کا سردار بنا کر بھیجا۔ خود مثنیٰ نے بھی عراق سے ایک فوج مرتب کی۔ اور یہ سارا لشکر بویب میں جمع ہوا۔

رستم نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مہران کو جس نے عرب میں تربیت پائی تھی منتخب فوج دے کر روانہ کیا۔ وہ بھی بویب کے متصل پہنچکر فروکش ہوا۔ دریائے فرات دونوں فوجوں کے درمیان حائل تھا۔ مہران نے مثنیٰ کو لکھا کہ یا ہم کو اس پار آنے دو یا تم خود اس پار آجاؤ چونکہ واقعہ جسر کی یاد ابھی تازہ تھی اس لئے یہ جواب دیا گیا کہ تم خود اس طرف آجاؤ۔ ایرانی دریا کو عبور کر کے

صف آرا ہوئے۔ مثنیٰ نے ان کے مقابلہ میں خالد یہ طریقہ پر اپنے لشکر کو ترتیب دیا۔

اسلامی فوج میں قاعدہ یہ تھا کہ سردار تین بار اللہ اکبر کا نعرہ لگاتا تھا۔ پہلے نعرے پر فوج مستعد دوسرے پر آمادہ پیکار اور تیسرے پر حملہ آور ہوتی تھی۔ مثنیٰ نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ دوسری ہی تکبیر پر صف سے آگے بڑھنے لگے۔ پوچھا کہ یہ کیا بات ہے لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ واقعہ جسر میں بھاگے تھے آج اس کے کفارہ میں شہادت چاہتے ہیں۔ مثنیٰ نے نیزہ سے ان لوگوں کو دبایا اور کہا کہ اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو جاؤ۔ دشمن جب آئیں تو ان کو روکو اور بلا وجہ جان نہ دو۔ ان لوگوں نے کہا کہ جب تک ہم اپنی جانیں راہ حق میں نہ دے دیں اس وقت تک گناہ سے پاک نہیں ہو سکتے صف میں اپنی اپنی جگہ پر آ گئے۔ لیکن بالآخر شہادت حاصل کی۔

یہ جنگ نہایت خونریز تھی۔ ایرانی قومی حمیت کے خیال سے بہت جوش و خروش کے ساتھ لڑے لیکن مسلمان ان کے حملہ میں ثابت قدم رہ گئے۔ مثنیٰ نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کے ساتھ مہران کے میمنہ پر حملہ کیا۔ اور اس کو شکست دیتے ہوئے قلب تک پہنچ گئے۔ ایرانی مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگے مثنیٰ نے آگے بڑھ کر پل توڑ دیا جب ایرانیوں نے دریا کی طرف راستہ نہ پایا تو پشت پھیر کر دوسری طرف رُخ کیا مسلمان تعاقب کر کے دور تک ان کو قتل کرتے چلے گئے قبیلہ تغلب کے ایک شخص نے مہران کو مار ڈالا اور اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر پکارا کہ میں نے عجمی سپہ سالار کا کام تمام کیا۔

اس موقع پر مثنیٰ کی یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انھوں نے فوج کے سامنے اقرار کیا کہ ایرانیوں کو روکنے کے لئے میں نے آگے بڑھ کر جو پُل کاٹ دیا تھا یہ اصول جنگ کے خلاف تھا۔ گو اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ہم کو فتح دے دی لیکن آئندہ سے اس امر کی احتیاط کرنی چاہیئے۔ اور جب تک فراریوں کے روکنے کی پوری قوت موجود نہ ہو اس طرح پر ان کے راستہ میں پیش قدمی نہیں کرنی چاہیئے۔

قادسیہ

اس شکست پر ایران میں کہرام مچ گیا۔ وہاں کے امراء اور رؤسا مدائن میں مجتمع ہوئے

انھوں نے کہا کہ عورت کی حکومت اور باہمی اختلاف کا نتیجہ یہی ہوا کرتا ہے۔ رستم اور فیروز سے جو ایران کے سب سے بڑے سپہ سالار تھے اور آپس میں دشمنی رکھتے تھے کہا کہ اگر اب بھی تم دونوں متفق ہو کر کام نہیں کرتے تو ہم پہلے تمہارا خاتمہ کر دیں گے وہ بھی موقع کی اہمیت کو سمجھے اور نزاع کو چھوڑ کر متحد ہوئے۔ آرزمی دخت کو تخت سے اتار کر اس کے بجائے یزدگرد کو جو اکیس برس کا تھا بادشاہ بنایا اس کی تخت نشینی سے سلطنت کا سہارا پا کر عراق کے سرحدی مرزبان جنکو مسلمان فتح کر چکے تھے پھر باغی ہو گئے۔

حضرت عمر نے یہ حالات سنے تو مثنیٰ کو لکھا کہ اپنی فوجوں کو جمع کر کے عرب کی سرحد کی طرف آجاؤ اور خود فوجی تیاری میں مصروف ہوئے۔ تمام قبائل عرب میں فرمان بھیجا کہ جہاں کہیں کوئی بہادر شہسوار صاحب رائے شاعر یا خطیب ہو اس کو فوراً میرے پاس بھیجو۔ اس حکم کی تعمیل میں قبائل عرب سے ایک انبوہ کثیر آکر مدینہ کے گرد جمع ہوا۔

حضرت عمر نے مقدمہ پر حضرت طلحہ کو میمنہ پر حضرت زبیر کو اور میسرہ پر حضرت عبدالرحمن بن عوف کو مقرر فرمایا۔ چاہتے تھے کہ خود اس فوج کو لے جا کر ایرانیوں سے مقابلہ کریں لیکن مدبرین صحابہ نے ان کو روکا لہٰذا حضرت سعد بن ابی وقاص کو اس کا سپہ سالار بنایا۔

حضرت سعد شجاعت میں بہت نامور تھے۔ لیکن ان کی جنگی تدابیر پر زیادہ اعتماد نہ تھا اس لئے احتیاطاً لشکر کی مہمات زیادہ تر اپنے اختیار میں رکھیں۔

حضرت سعد فوج کو لیکر روانہ ہوئے۔ اور مقام زرود میں پہنچکر اس کا شمار کیا تیس ہزار تھی وہاں باقاعدہ مرتب کیا اور مختلف دستے بنا کر ان کے الگ الگ امراء مقرر کئے۔ شراف پہنچے تو وہاں حضرت عمر کا حکم ملا کہ قادسیہ جا کر قیام کرو۔ اس مقام سے ایران کا پایہ تخت مدائن تین منزل تھا۔

مثنیٰ جن کو لڑائی میں سخت زخم آگیا تھا بستر مرگ پر سعد کے انتظار میں تھے۔ قادسیہ میں پہنچ کر حضرت سعد کو معلوم ہوا کہ وہ انتقال کر گئے۔ لیکن یہ وصیت کر گئے ہیں کہ ایرانیوں سے جنگ ان کی سرحد میں کی جائے اور قیام عربی سرحد کے قریب۔ کیا جائے تاکہ فتح ہو تو آگے بڑھتے چلے

جائیں ورنہ اپنے ملک میں محفوظ رہیں۔

حضرت عمر کے یہاں سے متواتر خطوط سعد کے نام آتے رہتے تھے۔ یہ بھی فرمان پہنچا کہ قادسیہ کی سرزمین اور غنیم کی فوجوں کا حال لکھو۔ کیونکہ میں نے بعض ضروری ہدایتیں اسی سبب سے نہیں لکھی ہیں کہ مجھ کو موقع اور دشمن کے تفصیلی حالات معلوم نہیں۔

حضرت سعد نے اپنی فرودگاہ اور موقع جنگ وغیرہ کے مفصل حالات تحریر کئے اور لکھا کہ آرمینیہ کا رئیس رستم ایرانی فوج کا سپہ سالار ہے اور اپنی سپاہ لئے ہوئے مقام ساباط میں خیمہ زن ہے۔

دربار خلافت سے فرمان پہنچا کہ جنگ سے پیشتر چند عقیل و فہیم مسلمانوں کو دربار ایران میں بھیجو تاکہ وہ دعوتِ اسلام کریں حضرت سعد نے چودہ منتخب اشخاص کو بھیجا۔ یہ لوگ مدائن میں پہنچ کر شاہ یزدگرد کے دربار میں گئے اس نے ان کو مرعوب کرنے کے لئے اپنے دربار کو نہایت ساز و سامان کے ساتھ سجایا تھا۔ یہ لوگ عربی قاعدہ کے مطابق موزے پہنے اور ہاتھوں میں تازیانے لئے دربار میں داخل ہوئے ان کی اس ہیئت سے ارکان سلطنت اور خود بادشاہ پر خوف چھا گیا۔

ترجمان کے توسط سے گفتگو ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ تم لوگ ہمارے ملک میں کیوں گھس آئے۔ نعمان بن مقرن نے جو وفد سفارت کے سرگروہ تھے جواب میں عرب کی قدیمی جہالت اور پھر ان کے اسلام لانے کا حال بیان کیا پھر کہا کہ ہم کو حکم ہے کہ ہم اپنی قریبی اقوام سے دین کی تبلیغ شروع کریں۔ ہم دو چیزیں پیش کرتے ہیں یا تو اسلام لاؤ یا جزیہ دو۔ اگر اسلام لاؤ گے تو ہم کتاب اللہ تمہارے حوالہ کر دیں گے کہ اس کے مطابق چلو اور تم کو اور تمہارے ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں گے اور اگر جزیہ دے کر ہماری حمایت میں آنا چاہتے ہو تو ہم یہ بھی منظور کر لیں گے اور تمہاری حفاظت ہمارے ذمہ ہو گی۔ ورنہ جنگ کریں گے۔

یزدگرد نے کہا کہ دنیا میں کوئی قوم تم سے زیادہ کمزور اور بدبخت نہ تھی جب تم ہم سے بغاوت کرتے تھے تو ہم سرحد کے کسی رئیس کو لکھ بھیجتے تھے وہ تم کو ٹھیک کر دیتا تھا اب بھی ہماری لڑائی سے باز آؤ اور اس خیال کو دل سے نکال دو کہ تم ہمارے مقابلہ میں ٹھہر سکتے ہو۔ دو چار فتوحات جو تم کو

حاصل ہوگئی ہیں اس سے دھوکہ میں نہ آؤ اگر تم نے مفلسی یا قحط سالی کی وجہ سے یہ غارتگری شروع کی ہے تو ہم تم کو کچھ دینے کے لئے بھی راضی ہیں۔ اور تمہارے اوپر ایک ایسا حکمران مقرر کردیں گے جو مہربانی سے سلوک کرے گا۔

یہ سُن کر سب لوگ خاموش رہے لیکن مغیرہ بن زرارہ سے نہ رہا گیا۔ انھوں نے کہا کہ یہ میرے ساتھی شرفاء عرب ہیں حلم اور وقار کی وجہ سے زیادہ گفتگو پسند نہیں کرتے مگر آپ نے جو کچھ فرمایا میں اس کے جواب میں کچھ عرض کرتا ہوں۔

یہ بالکل ٹھیک ہے کہ ہم ایسے ہی تھے جیسا کہ آپ نے کہا ہم سے زیادہ بدبخت اور گمراہ کوئی قوم نہ تھی۔ ہماری مفلسی کا یہ حال تھا کہ ہم سانپ بچھو حشرات الارض تک کو کھا جاتے تھے۔ زمین کی پشت ہمارا نشیمن تھی اور اونٹ کا اون ہمارا لباس ہم ایک دوسرے کو لوٹتے اور اپنی بیٹیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے ملک میں ایک نبی پیدا کیا جو نسب حسب اور اخلاق و عادات میں ہم سے ممتاز تھا۔ اول اول ہم نے اُس کو جھٹلایا اور مخالفت کی لیکن رفتہ رفتہ ہم اس کی بات ماننے لگے۔ وہ جو کچھ کرتا تھا اللہ کے حکم سے کرتا تھا اور جو کچھ کہتا تھا اللہ کے حکم سے کہتا تھا۔ اس نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اس دین کو دنیا کی قوموں کے سامنے پیش کریں جو اس کو مان لے اس کا وہی حق ہے جو ہمارا حق ہے۔ اور جو نہ مانے اور جزیہ دینے پر راضی ہو جائے تو ہمارے اوپر اس کی حفاظت فرض ہے۔ مگر جو اس سے بھی انکار کرے اس کے لئے تلوار ہے اب اگر آپ چاہیں تو جزیہ دے کر اسلام کی حمایت میں آجائیں۔ اور نہیں تو تیغ آزمائی کریں اور سب سے بہتر تو یہ ہے کہ مُسلمان ہو جائیں کہ آپ کی جان اور سلطنت محفوظ رہے۔

یزدگرد نے برافروختہ ہو کر کہا کہ کیا تم نے ان الفاظ سے مجھ کو مخاطب کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جس نے ہم کو مخاطب کیا تھا وہی ہمارا بھی مخاطب ہے۔ بولا کہ اگر سفیروں کا قتل روا ہوتا تو میں تم کو نہ چھوڑتا۔ جاؤ میرے پاس تمہارے لئے کچھ نہیں ہے۔ اپنے سردار سے کہہ دینا کہ رستم آرہا ہے وہ تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو قادسیہ کی خندق میں دفن کر ڈالے گا۔

رستم کے پاس ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی۔ وہ آگے بڑھ کر نجف میں خیمہ زن ہوا۔ اسلامی فوج اس کے بالمقابل تھی۔ ایک عرصہ تک وہ لڑائی کو ٹالتا رہا۔ اور کوشش کرتا رہا کہ کوئی صورت صلح کی پیدا ہو جائے لیکن نہ ہو سکی۔

حضرت سعد نے غنیم کی فوجوں کے حالات دریافت کرنے کے لئے بہت سے جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ انھی میں سے ایک شخص طلیحہ رات کے وقت ایرانی لباس میں رستم کی فوج میں گئے ایک نہایت بیش قیمت گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ اس کو کھول کر خود اس پر سوار ہو گئے۔ اور اپنے گھوڑے کو اس کے بجائے باندھ دیا۔ وہ ایک سردار کا گھوڑا تھا جب اس کو پتہ لگا تو دو سواروں کو لے کر ان کے پیچھے دوڑا۔ نزدیک پہنچ کر نیزہ مارا۔ انھوں نے وار خالی دیا اور پھرتی کے ساتھ پلٹ کر اس کے سینہ پر ایسا برچھا مارا کہ وہ فوراً ہلاک ہو گیا۔ اس کے ساتھیوں میں سے بھی ایک کو مار ڈالا اور دوسرے کو پکڑ لائے۔ وہ مسلمان ہو گئے اور ان کا نام مسلم رکھا گیا۔ ان کے ذریعہ سے ایرانی فوج کے مخفی حالات مسلمانوں کو معلوم ہو گئے۔ مسلم آخر تک تمام معرکوں میں شریک رہے اور نہایت خلوص کے ساتھ جانبازی کے جوہر دکھائے۔

محرم ۱۴ھ میں دونوں فوجیں میدان جنگ میں صف آرا ہوئیں۔ ایرانیوں کے پس پشت نہر عتیق اور مسلمانوں کے پیچھے خندق تھی درمیان میں میدان جنگ تھا حضرت سعد عرق النساء کی بیماری کی وجہ سے حرکت سے معذور تھے۔ وہ میدان جنگ کے کنارے ایک قدیمی قصر کے اوپر بیٹھ کر فوجوں کو لڑا رہے تھے خالد بن عرفطہ کو محل کے نیچے کھڑا کر دیا تھا اور خود پرچوں پر حکم لکھ لکھ کر گولی بنا بنا کر اوپر سے پھینکتے جاتے تھے۔ خالد انھی ہدایتوں کے مطابق فوجوں کو احکام پہنچاتے تھے۔

ظہر کی نماز کے بعد حضرت سعد نے تین تکبیریں کہیں اور حملہ شروع ہوا مسلمانوں کو جو سب سے بڑی دشواری پیش آئی وہ ہاتھیوں کی تھی۔ ان کو دیکھ کر عربی گھوڑے بھاگنے لگے اور سواروں کے ساتھ پیدل فوج کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔ حضرت سعد نے قبیلہ بجیلہ کے سردار طلیحہ کو حکم دیا کہ ان ہاتھیوں سے مسلمانوں کو بچاؤ طلیحہ نے اپنے قبیلہ کو مخاطب کر کے کہا کہ یارو! سعد نے کچھ سمجھ کر تم سے

مدد مانگی ہے۔ ان لوگوں نے جوش میں آ کر ہاتھیوں پر تیر برسائے اور ان کے سواروں کو گرا دیا بنی اسد کا قبیلہ بڑی مشکلوں سے ہاتھیوں کے ریلے سے بچایا گیا تاہم ان میں سے پانچسو آدمی ہلاک ہو گئے۔ میمنہ اور میسرہ نے بھی خفیف حملے کئے۔ اور کسی قدر رات تک یہ لڑائی جاری رہی اس روز بظاہر ایرانی غالب نظر آتے تھے۔

دوسرے دن مسلمان شہیدوں اور زخمیوں کو میدان سے اٹھا لائے۔ شہیدوں کو دفن کیا اور زخمیوں کو عورتوں کے حوالہ کیا کہ مرہم پٹی کریں۔ اس کے بعد لشکر کی صف آرائی کی۔ اسی اثنا میں شام کی طرف سے حضرت عمر کے فرمان کے مطابق وہ فوج جس کو حضرت خالد عراق سے لے گئے تھے امداد کے لئے آ گئی۔ اس کے امیر ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص حضرت سعد کے بھتیجے تھے۔ اس کے آجانے سے مسلمانوں کو تقویت پہنچ گئی۔

اس روز عربوں نے اونٹوں کو جھول اور برقعہ پہنا کر اس طرح کا مہیب بنایا تھا کہ جس طرف وہ رُخ کرتے تھے ایرانیوں کے گھوڑے بھاگ جاتے تھے ان سے وہی آفت ایرانیوں پہ نازل ہوئی جو پہلے دن ہاتھیوں سے مسلمانوں پر ہوئی تھی۔ آدھی رات تک جنگ جاری رہی اور مسلمانوں کا پلّہ بھاری معلوم ہوتا تھا۔ ایرانی سرداروں میں سے بہمن اور بزرجمہر قعقاع کے ہاتھ سے اور سیستان کا شاہزادہ شہر براز اعور بن قطبہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

حضرت ابو محجن جو ایک بہادر صحابی تھے ان کو شراب پینے کے الزام میں حضرت سعد نے اپنے گھر میں قید کر رکھا تھا۔ وہ اس لڑائی کو دیکھ کر جوش سے بیتاب ہو گئے۔ اور سعد کی بیوی سلمیٰ سے کہا کہ تم مجھ کو چھوڑ دو میں جا کر جہاد کروں گا اگر زندہ بچا تو خود آ کر بیڑیاں پہن لوں گا سلمیٰ نے ان کو چھوڑ دیا۔ وہ حضرت سعد کے گھوڑے پر سوار ہو کر نیزہ لیے ہوئے میدان جنگ میں پہنچے اور للکار کر اس طرح دشمنوں پر گرے کہ ان کی صفیں اُلٹ دیں۔ لوگ حیران تھے کہ یہ کون شخص ہے شام ہوئی تو ابو محجن نے آ کر بیڑیاں پہن لیں۔ حضرت سعد کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو انھوں نے ان کو رہا کر دیا۔ اور کہا کہ جو شخص اس طرح اسلام کے اوپر اپنی جان نثار کرے

میں اس کو کبھی سزا نہیں دوں گا۔ ابو محجن نے کہا کہ میں بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج سے شراب کو کبھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

تیسرے دن جب لڑائی شروع ہوئی تو پھر وہی ہاتھیوں کی مصیبت سامنے آئی۔ دو ہاتھی سب سے بڑے تھے ان میں سے ایک کی دونوں آنکھوں میں دو مسلمانوں نے ایک ساتھ نیزہ مارا اور تلوار سے اس کی سونڈ کو کاٹ لیا۔ اس نے اس زور سے سر ہلایا کہ فیلبان نیچے گر گیا پھر وہ ہاتھی خود گر پڑا۔ دوسرے ہاتھی کے ساتھ بھی انہوں نے یہی کیا۔ وہ زخم کھا کر منہ موڑ کر نہر کی طرف بھاگا۔ تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہو گئے اور ایرانیوں کی صفیں چیرتے ہوئے نکل گئے۔ اب مسلمانوں نے بلا خوف ہو کر شدت کے ساتھ ایرانیوں پر دباؤ ڈالا۔ رات بھر برابر جنگ جاری رہی اور سوائے تلواروں اور گھوڑوں کی آوازوں کے اور کوئی چیز سنائی نہیں دیتی تھی۔ صبح کو قعقاع نے پکارا کہ فتح کے لئے ایک گھڑی کا صبر اور درکار ہے۔ مسلمان ثابت قدمی سے لڑتے رہے۔ ظہر سے پہلے پہلے ایرانی فوج کے دونوں بازوں نے شکست کھائی۔ پھر مسلمان سیلاب کی طرح قلب کی طرف بڑھے۔ درفش کاویانی چھین لیا۔ رستم اپنے تخت سے اتر کر خود مقابلہ کے لئے کھڑا ہوا لیکن زخم کھا کر بھاگا اور نہر میں کود کر چاہا کہ اس پار نکل جائے۔ ہلال بن عرفہ نے پانی میں سے اس کو کھینچ کر قتل کر دیا

اس جنگ میں ایرانی ہر چند نہایت پامردی سے لڑے۔ لیکن مسلمانوں کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ گئی۔ تیس ہزار کشتے میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگے۔ مسلمان شہداء کی کل تعداد آٹھ ہزار تھی۔ حضرت سعد نے دربار خلافت میں فتح نامہ لکھا۔

قادسیہ کی لڑائی کے متعلق حضرت عمر نہایت فکر مند رہتے تھے۔ ہر روز صبح کو قاصد کے انتظار میں مدینہ سے باہر نکلتے اور دوپہر کو واپس جاتے۔ جس روز ناقہ سوار فتح نامہ لے کر پہنچا تو مدینہ کے باہر راستہ ہی میں حضرت عمر اس سے ملے اور حالات پوچھنے لگے۔ وہ سواری کو تیزی سے لئے آرہا تھا اور ان سے حالات کہتا جاتا تھا وہ پیچھے پیچھے دوڑتے چلے آتے تھے۔ شہر میں داخل ہونے پر جب ان کو لوگوں نے امیر المومنین کہہ کر سلام کیا اس وقت قاصد کو معلوم ہوا۔ اس نے کہا اللہ رحم

کرے! آپ نے پہلے سے کیوں مجھے نہ بتلایا کہ میں رک جاتا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ کچھ حرج نہیں۔ پھر اس سے خطاب کر مجمع عام میں لوگوں کو سنا دیا۔

اس کے بعد سعد نے دوسرا خط لکھا کہ میرے پاس بہت سے ایسے لوگ آئے ہیں جو کہتے ہیں کہ ایرانی امراء نے زبردستی پکڑ کر فوج میں بھرتی کر لیا تھا ہم اپنی خوشی سے نہیں لڑتے تھے۔ اور اب وہ امان کے طالب ہیں۔ ان کے بارہ میں کیا حکم ہے؟ حضرت عمر نے صحابہ سے مشورہ لیا۔ انہوں نے کہا کہ جو لوگ امان چاہتے ہیں ان کو امان دے دی جائے اور جو گھر چھوڑ کر چلے گئے ہیں، ان کو اختیار دیا جائے کہ وہ چاہیں تو ذمی بن کر اپنے گھروں میں آ جائیں۔

حضرت عمر کو یہ خوف بھی تھا کہ مسلمانوں کے پس پشت ابلہ کی طرف سے عجمی کہیں آ کر نہ ان کے اوپر حملہ کریں۔ اس لئے مدینہ سے فوج کا ایک دستہ عتبہ بن غزوان کے ساتھ اس طرف روانہ کیا تاکہ وہ ایرانیوں کو اسلامی فوج کی طرف آنے سے روکے۔ یہ لوگ اس مقام پر ٹھہرے جہاں اب بصرہ ہے اور ابلہ کو ۱۴ھ میں فتح کر لیا۔ اس کے بعد بصرہ کی داغ بیل ڈالی گئی اور اس کی آبادی شروع ہوئی۔ قادسیہ میں حضرت سعد جب دو مہینے آرام لے چکے تو مقام برس کی طرف جہاں ہرمز شکستہ خوردہ فوجیں لئے ہوئے پڑا تھا بڑھے۔ مسلمانوں کو ایرانیوں سے مال غنیمت میں اس قدر گھوڑے ملے تھے کہ بیشتر اسلامی فوج سوار تھی۔ ہرمز زیادہ مقابلہ نہیں کر سکا اور بابل کی طرف بھاگ گیا۔ وہیں تمام ایرانی لشکر جمع تھا جس کا سردار فیروز تھا۔ سعد نے آگے بڑھ کر ایک ہی حملہ میں اس کو شکست دے دی اور اس کے پیچھے زہرہ بن حویہ کی سرکردگی میں فوج روانہ کی۔ مقام کوثی میں مقابلہ ہوا۔ ایرانی فوج کا سپہ سالار شہریار خود میدان میں آیا۔ زہرہ نے اس کے مقابلہ میں ایک غلام نابل کو بھیجا۔ نابل نے اس کو قتل کر دیا۔

بابل کے مرزبانوں نے حضرت سعد سے آ کر صلح کر لی۔ پھر وہ کوثی ہوتے ہوئے بہرہ شیر کی طرف روانہ ہوئے۔ دو مہینہ تک اس کا محاصرہ کیا۔ اس دوران میں ان اطراف کے رئیسوں سے بھی عہد نامے کئے۔

ایرانی فوج قلعہ سے کبھی کبھی نکل کر لڑتی تھی۔ ایک دن سب مستعد ہو کر نکلے۔ زہرہ کی زرہ کی کڑیاں جابجا سے نکلی ہوئی تھیں۔ لوگوں نے کہا دوسری زرہ پہن لیجئے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں ایسا خوش نصیب کہاں ہوں کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری طرف آئیں۔ اس روز پہلا تیر انھیں کو لگا۔ لوگوں نے نکالنا چاہا تو بولے کہ نہ نکالو جب تک یہ جسم میں ہے اسی وقت تک میں زندہ بھی ہوں۔ اسی حالت میں لڑتے ہوئے آگے بڑھے اور ایرانی فوج کے ایک سردار شہر براز کو قتل کیا۔ ایرانی قلعہ میں بھاگ گئے اور بالآخر مصالحت کر لی۔

مدائن

بہرہ شیر اور مدائن کے بیچ میں دریائے دجلہ حائل تھا حضرت سعد کو معلوم ہوا کہ یزدگرد مدائن کے تمام ذخیرے منتقل کر رہا ہے اس لئے عجلت کے ساتھ بڑھے ایرانیوں نے پل توڑ ڈالا تھا۔ حضرت سعد نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا ان کو دیکھ کر کل مسلمانوں نے اپنے گھوڑے ڈال دیئے۔ دریا موجیں مار رہا تھا لیکن اسلامی فوج رکاب سے رکاب ملائے آپس میں باتیں کرتی ہوئی پار نکل آئی اس کی ترتیب میں بھی فرق نہیں آیا۔ ایرانی کنارے پر کھڑے ہوئے یہ تماشا دیکھ رہے تھے انھوں نے کہا کہ یہ انسانوں کا کام نہیں ہے چلا اٹھے کہ "دیواں آمدند" مدائن کی فوج میں مقابلہ کی طاقت نہیں تھی۔ یزدگرد اپنے اہل و عیال کو لے کر حلوان کی طرف بھاگا۔ جو رہ گئے تھے انھوں نے جزیہ دینا منظور کیا۔ ایوان کسرے میں شکریہ کی نماز پڑھی گئی پھر جمعہ کی نماز بھی اسی میں ادا کی گئی یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں مسلمانوں نے پڑھا۔

حضرت سعد نے اُن تمام مورتوں کو جو شاہی محل میں تھیں بدستور رہنے دیا اور ان کے توڑنے کا حکم نہیں دیا۔ اس کے بعد ساز و سامان اور ذخیرے فراہم کئے گئے اس میں سے پانچواں حصہ دربار خلافت میں بھیجا گیا جس میں ایک فرش ساٹھ گز لمبا اور اسی قدر چوڑا تھا اسمیں بہار یہ نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ قسم قسم کے درخت اور گل بوٹے زر و جواہرات کے تھے بعض صحابہ کی رائے ہوئی کہ یہ محفوظ رکھا جائے لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کی مخالفت کی آخر اس کے پرزے

پرزے کرکے تقسیم کردیئے گئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مقدس زمانہ میں زخارفِ دنیوی کس قدر لغو اور فضول خیال کئے جاتے تھے۔

جلولار

ایرانیوں کی ہزیمت خوردہ فوج جب جلولار میں پہنچی تو امراء نے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر آج ہم سب لوگ منتشر ہوگئے تو پھر اجتماع نہ ہوسکے گا اور یہی جگہ ہے جہاں سے مختلف صوبوں کے لوگ متفرق ہوسکتے ہیں۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ یہاں جم کر عربوں سے ایک آخری لڑائی لڑیں۔ اگر کامیاب ہوئے تو ملک کو بچالیں گے نہیں تو اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں گے۔ یہ سوچ کر مورچہ بندی کی اور ادرگرد خندق کھود کر اس کے چاروں طرف کانٹے اور گوکھرو بچھادئے۔ صرف اپنی گذرگاہیں محفوظ رکھیں۔ حضرت سعد نے دربارِ خلافت کے حکم کے مطابق ہاشم بن عتبہ کو ان کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا وہ صفر ۱۶ھ مطابق مارچ ۶۳۷ء میں بارہ ہزار فوج لیکر جلولا پہنچ گئے اور دشمنوں کا محاصرہ کیا۔ ایرانی مورچہ سے کبھی کبھی نکل کر لڑتے تھے اور پھر اسی میں پناہ گزیں ہوجاتے تھے ان کے پاس سامان رسد جمع تھا علاوہ بریں یزدگرد حلوان سے سلسلہ وار کمک اور خوراک بھیجتا تھا مسلمانوں نے محاصرہ سے تنگ آکر ایک دن دل توڑ کر حملہ کیا اور ان کی خندقوں میں گھس گئے حملہ آوروں میں سب سے آگے قعقاع تھے۔ ایرانی بھاگ نکلے مسلمانوں نے شہر پر قبضہ کرلیا اور غنیم کا خانقین تک تعاقب کیا یزدگرد نے جب اس شکست کی خبر سنی تو حلوان چھوڑ کر رَے کی طرف چلا گیا قعقاع نے پہنچکر حلوان پر قبضہ کیا اور وہاں فوج کا ایک دستہ متعین کردیا کہ سرحد کی حفاظت کرے کیونکہ یہ مقام کوہستانی اور میدانی علاقوں میں حدِ فاصل تھا۔

حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ مسلمان اپنی فتوحات کو سوادِ عراق تک محدود رکھیں۔ ایک خط میں انھوں نے لکھا بھی تھا کہ کاش ہمارے اور غنیم کے درمیان ایک ایسی دیوار حائل ہوتی کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھتے نہ وہ ہماری طرف۔ مجھے مسلمانوں کی سلامتی مالِ غنیمت سے زیادہ عزیز ہے۔

حضرت سعد نے اپنے کاتب زیاد کے ہمراہ خمس غنیمت مدینہ کو روانہ کیا۔ زیاد نے حضرت عمر سے مفصل حالات بیان کئے۔ وہ ان کی فصاحت سے خوش ہوئے اور پوچھا کہ مجمع عام میں اسی طرح بیان کر سکتے ہو۔ زیاد نے کہا کہ دنیا میں کسی شخص کا رُعب میرے اوپر اتنا نہیں ہے جتنا آپ کا جب میں نے آپ کے سامنے بیان کر لیا تو اوروں کے سامنے کیوں نہ بیان کر سکوں گا۔ چنانچہ انہوں نے مجمع عام میں تمام حالات جنگ سنائے۔ اس وقت شام ہو گئی تھی اس لئے مال غنیمت رکھ دیا گیا۔ صبح کو تقسیم ہوا۔ درہم اور دینار کے علاوہ جواہرات کے ڈھیر تھے۔ حضرت عمر ان کو دیکھ کر رو دئے۔ لوگوں نے سبب پوچھا۔ فرمایا جس قوم میں دولت آتی ہے ساتھ ہی ساتھ رشک و حسد بھی آتے ہیں۔

سعد نے مدائن سے عبداللہ بن معتم کے ہمراہ ایک فوج تکریت کی طرف روانہ کی وہاں ایرانی جمع تھے اور ارد گرد خندق کھود کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا تھا مسلمانوں نے چالیس روز تک محاصرہ رکھا اس درمیان میں چوبیس حملے کئے اور ہر ایک میں کامیاب رہے۔

ایرانیوں کے ساتھ نصارائے عرب بھی شریک تھے انہوں نے ابن معتم سے صلح کی درخواست کی جو اس شرط پر منظور ہوئی کہ جب تم ہماری تکبیر سننا تو خود اللہ اکبر کے نعرے لگا دینا دوسرے دن جب مسلمانوں نے خندق کی طرف ہجوم کیا اور تکبیر پکاری تو ان نصاریٰ نے بھی اُدھر سے تکبیر کے نعرے لگائے۔ ایرانیوں کو یہ شبہ ہوا کہ پیچھے سے بھی مسلمان آگئے اس لئے وہ بھاگتے ہوئے ادھر آئے جدھر ابن معتم کی فوج تھی مسلمان ٹوٹ پڑے اور بے شمار ایرانی قتل ہوئے۔

مدائن سے ایک دوسرا دستہ حضرت عمر کے بھائی ضرار بن خطاب کی ماتحتی میں ماسبدان کی طرف گیا اور اس شہر کو فتح کیا۔ عمر بن مالک بھی تھوڑی سی فوج لئے ہوئے ہیت اور قرقیسا کی طرف گئے اور ان مقاموں پر قبضہ کیا۔ اطراف و دیار کے باشندوں نے آکر جزیہ پر مصالحت کی تمام خطۂ عراق میں امن قائم ہو گیا۔ انتظام کے لئے عمال مقرر کر دئے گئے اور رعایا اطمینان کے ساتھ اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئی۔ سرحدوں کی حفاظت کیلئے بھی جابجا فوجیں متعین کر دی گئیں۔

آبادی کوفہ

عراق سے جو لوگ مدینہ آتے تھے۔ حضرت عمر ان کے رنگ کو متغیر اور ان کے جسم کو کمزور پاتے تھے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ سواحل دجلہ کی آب و ہوا اہل عرب کو راس نہیں آئی اس لئے سعد کو حکم بھیجا کہ سلمان اور حذیفہ کو بھیجو کہ وہ دریائے فرات کے مغرب میں کوئی ایسی جگہ تلاش کریں جو عربوں کے لئے مناسب ہو اور میرے اور ان کے درمیان میں پانی اور پل حائل نہ ہو۔ سعد نے ان دونوں آدمیوں کو روانہ کیا۔ وہ لوگ اس مقام پر پہنچے جہاں کوفہ آباد کیا گیا۔ یہ ریتلی زمین تھی جس میں سنگریزے ملے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے اس کو پسند کیا۔ وہاں نماز پڑھی۔ دعا کی اور سعد کو مطلع کیا۔ انھوں نے خلیفہ کو لکھا۔ حکم آیا کہ فوج لے کر اسی مقام پر چلے جاؤ۔ وہ سب کو ساتھ لے کر محرم ۱۷ھ مطابق جنوری ۶۳۸ء کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر قیام کیا۔

حضرت عمر کی رائے تھی کہ فوج خیموں میں رہے۔ پھر انھوں نے چھپر بنانے کی اجازت دے دی مگر ایک بار آتش زدگی کا حادثہ ہوا جس سے سخت نقصان ہو گیا۔ اس لئے ابو الہیاج کو بھیجا کہ وہ اینٹ اور گارے سے شہر کے مکانات تعمیر کرائیں پہلے بیچ میں ایک جامع مسجد بنائی گئی۔ جس میں چالیس ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے تھے۔ اس کے چاروں طرف بقدر ایک ایک تیر کے ٹپہ کے زمین چھوڑ کر شہر کی تعمیر شروع کی گئی۔ بڑی سڑکیں چالیس ہاتھ۔ درمیانی تیس ہاتھ۔ اس سے چھوٹی بیس ہاتھ اور گلیاں سات ہاتھ عرض کی رکھی گئیں۔ مسجد سے ملحق دو سو ہاتھ لمبا ایک سائبان بنایا گیا جس میں سنگ سرخ کے ستون ایوان کسریٰ سے لا کر لگائے گئے حضرت عمر نے باوجود اس کے کہ ان ستونوں کا کوئی وارث نہ تھا ان کی قیمت ایرانی رعایا کی جزیہ میں مجرا کر دی اسی کے ساتھ بیت المال تھا جس کے سامنے حضرت سعد کے لئے ایک مکان بنایا گیا۔

بصرہ میں اگرچہ مسلمان ۱۴ھ میں آ گئے تھے۔ لیکن اس کی آبادی بھی کوفہ کے ساتھ اور اسی روش پر ہوئی۔ اس وقت سے یہ دونوں مقامات فوجوں کے مرکز مقرر کئے گئے۔ جہاں سے مشرقی مہمات کے لئے لشکر بھیجے جاتے تھے۔

جزیہ

خلیفہ کے حکم سے کوفہ سے فوج کے تین دستے روانہ کئے گئے۔ پہلا سہیل بن عدی کی ماتحتی میں رقہ کی طرف۔ دوسرا عبداللہ بن عتبان کے ساتھ نصیبین کو۔ تیسرا عتبہ بن ولید کے ہمراہ جزیرہ کے عربی باشندوں کو دبانے کے لئے۔ ان تینوں لشکروں کے سپہ سالار عام حضرت عیاض بن غنم تھے ان فوجوں کے بھیجنے سے حضرت عمر کا مقصد یہ تھا کہ جزیرہ سے جو عیسائی عرب حمص میں جاکر رومی فوجوں کے ساتھ شریک ہو رہے ہیں وہ نہ جا سکیں چنانچہ جب ان کو معلوم ہوا کہ خود ان کے دیار پر لشکر کشی ہوئی ہے تو واپس آ گئے۔ اور شام کی اسلامی فوجوں کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

عیاض جب مقام رہا میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے جزیہ پر صلح کر لی حران والوں نے بھی یہی کیا۔ پھر نصیبین فتح ہوا۔

جزیرہ میں جو عرب بستے تھے ان میں سے بیشتر اپنی زمینیں چھوڑ کر رومی علاقوں میں چلے گئے ان کی تحریروں سے معلوم ہوا کہ واپس آنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ ان سے جزیہ نہ لیا جائے کیونکہ اس کو وہ ذلت سمجھتے ہیں۔ البتہ صدقہ کے نام سے دوسرے لوگوں سے دگنا دے دیں گے چونکہ مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ عربوں کو نفرت نہ دلائی جائے اس لئے خلیفہ اس بات پر راضی ہو گئے۔ کہ ان سے صدقہ ہی کے نام سے لیا جائے اور جزیہ کا ذکر نہ کیا جائے۔

فتح اہواز

خوزستان کا سب سے بڑا شہر اہواز حدود بصرہ پر واقع تھا۔ وہاں ہرمزان اپنی فوجیں لئے ہوئے پڑا تھا جو کبھی کبھی اسلامی مقبوضہ میں بڑھ کر غارت گری کرتی تھیں۔ امیر بصرہ عتبہ بن غزوان نے ان پر فوج کشی کرنے کے لئے حضرت سعد سے امداد طلب کی انھوں نے کمک بھیجی۔ ایرانی فوجوں نے مقابلہ میں شکست کھائی۔ ہرمزان نے اہواز اور مہرجان کا علاقہ مسلمانوں کے حوالہ کر کے صلح کی۔

کچھ دنوں کے بعد اس نے معاہدے کو توڑ کر کردوں کو ساتھ لیکر چڑھائی کی۔ عتبہ نے

حضرت عمر کو اطلاع دی۔ انھوں نے متواتر فوجیں بھیجیں۔ اہواز کے پل کے متصل ہرمزان کے مقابلہ میں صف آرائی ہوئی۔ وہ ہزیمت اُٹھا کر بھاگا۔

حضرت عمر کو یہ خیال ہوا کہ ہرمزان نے عہد شکنی کہیں اس وجہ سے نہ کی ہو کہ مسلمانوں نے اہل ذمہ پر سختی کی ہو۔ اس لئے عتبہ کو فرمان بھیجا کہ تم معتبر لوگوں کی ایک جماعت جس میں دس آدمی کوفہ کے بھی ہوں میرے پاس بھیجو تاکہ میں ان سے اصلی کیفیت دریافت کروں عتبہ نے اس کی تعمیل کی اور وفد روانہ کیا حضرت عمر نے ان سے پوچھا کہ مسلمان اہل ذمہ پر ظلم تو نہیں کرتے انھوں نے جواب دیا کہ مطلق نہیں مسلمانوں کا برتاؤ قابل تعریف ہے۔ انھوں نے وفد کو واپس کیا اور عتبہ کو لکھا کہ لوگوں پر تاکید رکھو کہ وہ ظلم اور بے وفائی سے بچیں ہم کو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وہ وفائے عہد سے دیا ہے ایسا نہ ہو کہ پھر یہ نعمتیں ہم سے چھین لے ہم اس کے حکم کے مطابق چلیں گے تو ہماری مدد کرے گا۔

فارس پر حملہ

حضرت علاء بن حضرمی بحرین کے امیر حضرت سعد بن وقاص کے حریف تھے خلیفۂ اوّل کے وقت میں فتوحات ردّت میں انھوں نے بڑی عزت اور شہرت حاصل کی تھی ادھر مہم عراق اور خاص کر قادسیہ کی فتح سے جب حضرت سعد کی شہرت اور عظمت زیادہ ہوگئی تو ان کو رشک پیدا ہوا انھوں نے چاہا کہ میں بھی اہل عجم کے مقابلہ میں کوئی ایسا کارنمایاں انجام دوں کہ میرا رتبہ سعد سے کم نہ رہے یہ سوچ کر دربار خلافت کی منظوری کے بغیر ہی بحرین سے کشتیوں پر فارس کی طرف ایک فوج بھیجی جب یہ کنارے پر اتر کر اصطخر کی طرف بڑھی تو اہل فارس نے آکر گھیر لیا یہ لوگ لڑتے ہوئے آگے نکل آئے چونکہ فارسی لشکر ان کے اور کشتیوں کے درمیان حائل ہوگیا اس لئے مجبوراً خشکی کی راہ سے بصرہ کی طرف چلے۔ ادھر ایک ایرانی مرزبان شہرک راستہ روکے ہوئے پڑا تھا اس وجہ سے رُک گئے۔

حضرت عمر کو جس وقت یہ اطلاع ملی تو ناراض ہو کر علاء بن حضرمی کو معزول کر دیا اور جو امران کے اوپر سب سے زیادہ شاق تھا اسی کا حکم دیا یعنی یہ کہ کوفہ میں جا کر سعد بن ابی وقاص کی ماتحتی میں رہیں اور عتبہ بن غزوان والی بصرہ کو فرمان بھیجا کہ لشکر روانہ کرکے ان مسلمانوں کو جن کو علاء

بن حضرمی نے تری کی راہ سے بھیجا اور خشکی میں محصور ہو گئے ہیں دشمنوں کے نرغہ سے نکالیں عتبہ نے بارہ ہزار سپاہی ابو سبرہ کی ماتحتی میں بھیجے۔ وہ ساحل کے راستہ سے گئے۔ شہرک کو شکست دی محصورین کو ساتھ لے کر بصرہ واپس آئے اور وہاں سے ان کو بحرین پہنچا دیا۔

رامہرمز و تستر

بادشاہ یزدگرد رے سے جا کر مرو میں مقیم ہوا اور وہاں عجمیوں کو عربوں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ چنانچہ فارس اور خوزستان کے رؤساء نے باہم مراسلت کر کے ایک جتھا باندھا اور اہل عرب کے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگے۔

امرائے سرحد نے خلیفہ کو ان باتوں کی اطلاع دی۔ انہوں نے سعد کے نام فرمان بھیجا کہ ایک لشکر گراں نعمان بن مقرن کی سرکردگی میں خوزستان کی طرف روانہ کرو۔ نیز بصرہ کے والی کو بھی حکم لکھا کہ سہیل بن عدی کی ماتحتی میں تم بھی ایک فوج اس طرف بھیجو۔ کوفہ اور بصرہ کی ان دونوں فوجوں کے سپہ سالار عام ابو سبرہ مقرر کئے گئے۔ نعمان رامہرمز کی طرف بڑھے۔ ہرمزان نے شکست کھائی۔ اور وہاں سے بھاگ کر تستر میں چلا گیا۔ نعمان نے پہنچ کر تستر کا محاصرہ کیا۔ بصرہ کی فوج بھی یہاں آ گئی۔ کئی مہینے تک محاصرہ رہا۔ مسلمانوں نے دوران محاصرہ میں اسی حملے کئے۔ جن میں کبھی ایرانی اور کبھی مسلمان غالب رہتے تھے۔ بالآخر مسلمانوں نے ایک رات کو اس نہر میں سے جو شہر میں سے گزرتی تھی داخل ہو کر فصیل کے دروازے کھول دئے اور شہر کے اندر گھس گئے۔ ہرمزان نے اوپر کے برج سے پکارا کہ میں اس شرط پر اُترنے کے لئے تیار ہوں کہ تم مجھ کو اپنے خلیفہ کے پاس بھیج دو۔ وہ میری بابت جو حکم دیں گے میں اسی پر راضی ہوں۔ ابو سبرہ نے اس کو ایک وفد کے ہمراہ مدینہ میں بھیج دیا۔

حضرت عمرؓ اس وقت اکیلے مسجد میں سوئے ہوئے تھے۔ ہرمزان یہ سمجھا تھا کہ ان کا دربار بڑی شان و شوکت کا ہوگا۔ پوچھا کہ بادشاہ کہاں ہے؟ لوگ اس کو مسجد میں لے گئے اس نے دیکھا کہ نہ دربان ہے نہ پاسبان۔ اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ پوچھا کہ کیا یہ نبی ہیں لوگوں نے کہا کہ نبی تو نہیں ہیں لیکن نبی کے طریقے پر چلتے ہیں حضرت عمرؓ نے ترجمان کے توسط سے گفتگو

شروع کی۔ فرمایا کہ تم نے اپنی بے وفائیوں اور بدعہدیوں کا مزہ چکھا ہرمزان نے کہا کہ اے عمر! جاہلیت میں جب نہ خدا تمہارے ساتھ تھا نہ ہمارے ساتھ ہم ہمیشہ تم پر غالب رہے۔ اب اس نے تمہارا ساتھ دے دیا اس لئے تم غالب آ گئے۔

حضرت عمر نے کہا کہ تم یہ بتاؤ کہ اس کا تمہارے پاس کیا جواب ہے کہ بار بار معاہدے کر کر کے ان کو توڑتے رہے۔

جواب دینے سے قبل اس نے پینے کے لئے پانی مانگا۔ جب پیالہ دیا گیا تو اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔ اس نے کہا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں پانی پینے کی حالت میں قتل نہ کر دیا جاؤں حضرت عمر نے فرمایا۔ جب تک اس پانی کو تم نہیں پی لو گے قتل نہیں کئے جاؤ گے۔

یہ سن کر اس نے اس پانی کو پھینک دیا اور کہا کہ مجھے پانی کی ضرورت نہیں تھی میں تو امان لینا چاہتا تھا۔ حضرت عمر نے کہا کہ میں تم کو قتل کروں گا۔ اس نے کہا کہ آپ مجھ کو امان دے چکے۔ فرمایا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ لیکن انس بن مالک اور دوسرے لوگوں نے کہا کہ یا امیر المومنین! جو الفاظ آپ نے فرمائے ان سے اس کو امان مل گئی۔ حضرت عمر نے کہا کہ افسوس ہے ہم کو پتہ بھی نہ لگا اور اس نے امان لے لی۔

اس کے بعد ہرمزان مسلمان ہو گیا اور کہا میں نے یہ تدبیر اس لئے کی کہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ قتل کے خوف سے اسلام لایا۔ حضرت عمر اس کی بدعہدیوں کی وجہ سے اس سے سخت ناراض تھے اور قتل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اس کے اسلام لانے سے خوش ہو گئے مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی۔ اور دو ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ ایران کے معاملات میں اس سے مشورے بھی لیا کرتے تھے۔

ہرمزان کے ساتھ جو وفد آیا تھا اس سے بھی حضرت عمر نے دریافت کیا کہ عجمی بار بار جو عہد شکنی کر ڈالتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ کیا مسلمان اہل ذمہ کے ساتھ کچھ برا برتاؤ کرتے ہیں اہل وفد نے کہا کہ مسلمانوں نے عہد کی خلاف ورزی کہیں نہیں کی ہے اور بالعموم اہل ذمہ

کے ساتھ ان کا سلوک اچھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ پھر کیا بات ہے جو اہل عجم اپنے عہد پر قائم نہیں رہتے۔ احنف بن قیس نے جواب دیا کہ آپ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ جو علاقہ ہمارے ہاتھ میں آچکا ہے اسی پر ہم قناعت کریں اور آگے نہ بڑھیں۔ اور آپ جانتے ہیں کہ ایران کا بادشاہ ابھی تک اپنے ملک میں موجود ہے وہ اہل عجم کو ہمارے خلاف اُکساتا رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ بغاوت اور سرکشی کرتے رہتے ہیں کیونکہ ایک ملک میں دو حکومتیں نہیں رہ سکتیں۔ اگر ہم کو عراق کے حدود سے آگے بڑھنے کی اجازت ملے اور ہم اس کو ملک سے باہر نکال کر اپنا تسلّط جمالیں تو پھر ایرانی خاموش ہو جائیں گے اور ان کو کوئی بھڑکانے والا نہیں رہے گا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا اور اب اصلی وجہ میری سمجھ میں آگئی اسی کے بعد اطلاع موصول ہوئی کہ ایرانی فوجیں نہاوند میں جمع ہو رہی ہیں اس سے احنف کے قول کی اور بھی تصدیق ہو گئی۔

نہاوند

یزدگرد اور بالعموم ایرانیوں کو اس بات کا یقین تھا کہ عربوں کا سیلاب زیادہ سے زیادہ عراق کے حدود پر آکر رُک جائے گا ایرانی سلطنت پر وہ پیش قدمی نہیں کر سکتے۔ لیکن ان کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھ کر مرد سے اس نے عجمی رئیسوں اور مرزبانوں کے پاس قاصد اور خطوط بھیجے۔ اور جا بجا سے تقریباً ڈیڑھ لاکھ جنگ آور فراہم کئے۔ نہاوند میں ان کا اجتماع ہوا نعمان بن مقرن تیس ہزار فوج لیکر ان کے مقابلہ کے لئے گئے نہایت ہولناک جنگ ہوئی میدان میں خون کی کثرت سے گھوڑوں کی ٹاپ پھسلنے لگی نعمان زخم کھا کر گھوڑے سے گرے۔ لیکن حکم دیا کہ مجھے سنبھالنے کی ضرورت نہیں ہے آگے دشمنوں پر بڑھو۔ ان کے بجائے حذیفہ بن یمان نے علم سنبھالا شام کے وقت ایرانی فوج نے شکست کھائی۔ قعقاع فوج کے دستے لئے ہوئے ہمدان تک ان کے تعاقب میں گئے۔ اور اس پر بھی قبضہ کر لیا۔

فتح کے بعد ایک سپاہی نعمان کے قریب سے گذرا۔ اتر کر دیکھا تو دم توڑ رہے تھے سر اٹھایا۔ انھوں نے آنکھیں کھول دیں اور پوچھا کہ کیا ہوا اس نے کہا کہ فتح ہوئی کہا کہ اللہ کا شکر ہے

امیر المومنین کو جلد اس کی اطلاع بھیج دی جائے یہ کہہ کر ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں حضرت عمر کو جب اس فتح کا حال معلوم ہوا تو بہت خوش ہوئے لیکن نعمان کے غم میں بہت روئے۔

اس جنگ میں تقریباً تیس ہزار ایرانی مارے گئے اور ان کا زور ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد پھر وہ کوئی بڑی لڑائی نہیں لڑ سکے۔ اسی وجہ سے اس فتح کو فتح الفتوح کہتے ہیں۔

عام پیش قدمی

احنف بن قیس کی گفتگو کے بعد حضرت عمر کو یقین ہو گیا تھا کہ جب تک یزدگرد ایران میں موجود ہے اس وقت تک ہمارے مفتوحہ حصّوں میں فتنہ اور فساد فرو نہیں ہو سکتا۔ اس لئے انھوں نے بقیہ ایران پر لشکر کشی کا سامان کیا۔ سات عَلَم تیار کئے اور سات سرداروں کو عطا کر کے فوجوں کے ساتھ ان کو مختلف مقامات کی طرف روانگی کا حکم دیا۔

۱۔ احنف بن قیس خراسان۔
۲۔ مجاشع بن مسعود سلمی خرہ اردشیر وسابور۔
۳۔ عثمان بن ابی العاص ثقفی۔ اصطخر۔
۴۔ ساریہ بن زہم کنانی فسا و دراابجرد۔
۵۔ سہیل بن عدی کرمان۔
۶۔ عاصم بن عمرو سیستان۔
۷۔ حکیم بن عمیر تغلبی۔ مکران۔

یہ فوجیں آغاز ۲۱ھ میں روانگی کے لئے تیار ہو گئیں۔

اصفہان

عبداللہ بن عتبہ فوج لے کر اصفہان کی طرف گئے تھے۔ وہاں کا سپہدار فاذوسفان تھا جب فریقین نے صف آرائی کی تو اس نے عبداللہ کو کہلا بھیجا کہ سپاہیوں کی جانیں ضائع کرانے سے کیا فائدہ۔ آؤ ہم تم خود لڑ کر فیصلہ کر لیں۔ عبداللہ اس کے مقابلہ کے لئے گئے۔ اور کہا کہ پہلے

تم مجھ پر وار کر دیا مجھے اجازت دو اس نے کہا کہ میں وار کروں گا۔ یہ کہہ کر گھوڑا بڑھایا اور تلوار چلائی عبداللہ نے اس کو خالی دیا لیکن گھوڑے کی تنگ کٹ گئی اور مع زین کے نیچے آ گئے۔ پھر اچھل کر ننگی پشت پر بیٹھ گئے اور کہا کہ اب میری باری ہے سنبھل جاؤ اس نے کہا کہ بس میں نے آپ کو آزما لیا اب لڑنا نہیں چاہتا شہر آپ کے حوالہ کرتا ہوں۔ اس شرط پر کہ جو جزیہ دے کر رہنا چاہے اس کو رہنے دیجئے اور جو نہ رہنا چاہے اس کو نکل جانے کی اجازت عطا فرمایئے۔ عبداللہ نے اس کو منظور کر کے صلح نامہ لکھ دیا اس کے بعد اصفہان میں انھوں نے ایک امیر مقرر کر دیا۔ اور خود حضرت عمر کے فرمان کے مطابق سہیل بن عدی کی امداد کے لئے کرمان کی طرف روانہ ہوئے۔

آذربائیجان

نعمان بن مقرن کے بھائی نعیم جس وقت ہمدان میں تھے ان کو اطلاع پہنچی کہ مقام واج رود میں جو ہمدان اور قزوین کے درمیان صوبۂ آذربائیجان میں واقع ہے۔ ایرانی مجتمع ہو رہے ہیں اس لئے وہ فوج لے کر آگے بڑھے اور مقابلہ کیا۔ نہاوند کی طرح یہاں بھی سخت معرکہ پیش آیا۔ آخر میں ایرانیوں کو ہزیمت فاش ہوئی۔

نعیم دربار خلافت کے حکم کے مطابق رے کی طرف بڑھے وہاں کے رئیس زینبدی نے آکر صلح کر لی۔ انھوں نے رے میں قیام کیا۔ اور وہاں سے اپنے بھائی سوید بن مقرن کو قومس کی طرف بھیجا وہ بلا جنگ کے فتح ہو گیا۔ نیز جرجان اور طبرستان کے لوگوں نے بھی آکر مصالحت کی۔

باب

سراقہ بن عمرو آذربیجان سے باب کی طرف جو صوبۂ آرمینیہ سے متصل ہے بڑھے اور اس کا محاصرہ کیا۔ وہاں کا رئیس شہربراز خود ان کے پاس آیا اور کہا کہ میں ایرانی نسل سے ہوں اور اہل آرمینیہ سے جو نہایت بدنسل کمینے اور کینہ ور ہیں مجھ کو کوئی تعلق نہیں۔ جب تمام ایران مفتوح ہو گیا تو میں بھی تمہارا مطیع ہوں لیکن میرے اوپر جزیہ لگا کر مجھے ذلیل نہ کرو۔ بلکہ جب ضرورت ہو مجھ سے فوجی خدمت لو۔ سراقہ نے اس کو منظور کر لیا اور کہا کہ جزیہ سے ہر سال صرف وہی لوگ بری ہوں گے

جن سے اس سال فوجی کام لیا جائے گا حضرت عمرؓ بھی اس مصالحت پر راضی ہو گئے یعنی جزیہ معاف کر کے اہل شرک سے جنگی امداد لینے کو انھوں نے جائز رکھا۔ حالانکہ حضرت ابو بکرؓ نے خالد اور مثنیٰ کو ان مسلمانوں کے فوج میں لینے سے بھی منع فرما دیا تھا جو ارتداد کی شورش میں پڑ گئے تھے۔

سراقہ نے یہاں سے تفلیس۔ موقان وغیرہ کی طرف جو آرمینیہ کے سرحدی کوہستانی مقامات ہیں فوجیں روانہ کیں۔

خراسان

یزدگرد خراسان کے مشہور شہر مرو شاہجہاں میں مقیم تھا۔ اس نے وہاں کے رئیسوں اور مرزبانوں کے ساتھ خط و کتابت کر کے ان کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے متفق کیا۔ احنف بن قیس جنکو خراسان کا علم دیا گیا تھا ۲۲ھ میں وہاں پہنچے پہلا مقابلہ ہرات پر ہوا۔ دشمنوں کو شکست دیکر وہاں قبضہ کیا۔ پھر مرو کی طرف بڑھے یزدگرد مرورود کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے ترکستان اور چین کے بادشاہوں سے امداد مانگی۔ احنف بھی اس کے پیچھے آئے وہ بلخ کو چلا گیا۔ احنف بھی تعاقب کرتے ہوئے وہاں گئے مقابلہ میں یزدگرد نے شکست کھائی اور دریائے جیحوں اتر کر تاتاری حکومت میں داخل ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے احنف کو فرمان بھیجا کہ تم دریا سے آگے نہ بڑھو۔

یزدگرد نے چین اور ترکستان کے بادشاہوں سے مدد لے کر پھر دریا کو عبور کیا۔ اور مسلمانوں کے مقابلہ میں صف آرا ہوا۔ لیکن پہلے ہی حملہ میں تاتاری اس کو چھوڑ گئے۔ مجبوراً وہ اس پار چلا گیا مگر اس کے ساتھ کے خراسانیوں نے مسلمانوں سے صلح کر لی اور اپنے اپنے گھروں میں آکر اپنی اپنی ملکیتوں پر قابض ہو گئے۔ اسلامی عدل و انصاف کے سایہ میں ان کی حالت اس سے بہت بہتر ہو گئی جیسی کہ ایرانی بادشاہوں کے عہد میں تھی۔

دیگر فتوحات

ساریہ بن زنیم نے فسا اور دارابجرد کو فتح کیا عثمان بن ابی العاص نے اصطخر۔ سہیل بن عدی نے کرمان عاصم بن عمرو نے سیستان اور حکیم نے مکران کو۔ ان فتوحات سے اس

سرے سے لے کر اس سرے تک سارا ایران اسلامی جھنڈے کے نیچے آگیا۔

شام

جنگ یرموک میں حضرت ابوبکرؓ کی وفات اور حضرت عمرؓ کی خلافت کی خبر آگئی تھی یرموک کی فتح کے بعد حضرت ابوعبیدہ فوجیں لے کر فحل کی طرف بڑھے یہ مقام علاقہ اردن میں حوران اور فلسطین کے درمیان واقع ہے شکست خوردہ رومی یہیں جمع تھے۔ پہلے ہی حملہ میں مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔

دمشق

یہ شہر زمانہ سابق سے تجارت کا مرکز تھا۔ اس کے اردگرد مضبوط فصیل بنی ہوئی تھی مسلمانوں نے ہر طرف سے اس کا محاصرہ کیا۔ بڑے بڑے سردار جو شام کی فتح کے لئے مامور ہوئے تھے ایک ایک دروازہ پر اپنی اپنی فوجیں لیکر جم گئے۔ حضرت خالد پانچ ہزار فوج کے ساتھ باب الشرق پر تھے۔ وہ راتوں کو بہت کم سوتے تھے اور شہر کی حالت کا دمبدم سُراغ لیتے رہتے تھے۔

ایک رات ان کو یہ معلوم ہوا کہ دمشق کے بطریق کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اہل شہر اس کے جشن میں مجتمع ہیں۔ انھوں نے موقع پا کر شہر پناہ کی خندق کو مشکوں کے ذریعہ تیر کر عبور کیا اور رسی کا زینہ بنا کر فصیل پر چڑھ گئے پھر اپنے چند ساتھیوں کو بھی اوپر چڑھا لیا۔ اور اندر اتر کر پہلے دربانوں کو قتل کیا۔ پھر دروازہ توڑ دیا مُسلمان شہر میں گھس گئے رومیوں نے یہ دیکھ کر شہر پناہ کے دروازے کھول دئے اور جا کر حضرت ابوعبیدہؓ سے صلح کر لی۔ وہ صلحاً ایک طرف سے شہر میں داخل ہوئے اور دوسری طرف سے خالد فتح کرتے ہوئے وسط شہر میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔

حضرت ابوعبیدہ نے چونکہ مصالحت کر لی تھی اور ان کو خالد کے اندر داخل ہو جانے کا حال نہیں معلوم ہوا تھا اس وجہ سے مفتوحہ حصہ بھی رقبہ صلح میں شامل کر دیا۔ یعنی مال غنیمت واپس کر دیا اور قیدی چھوڑ دئے۔

مرج روم

دمشق میں معلوم ہوا کہ مرج روم میں دو سپہ سالار توذرا اور شنس فوجیں لئے ہوئے پڑے ہیں۔ حضرت ابوعبیدہ اس طرف بڑھے مقدمہ لشکر پر خالد تھے۔

صبح کو جب صف آرائی کا وقت آیا تو خبر ملی کہ توذرا اپنی فوجین لیکر دمشق کی طرف بڑھ گیا، اس لئے ابوعبیدہ نے فوراً خالد کو سواروں کے دستہ کے ساتھ اس کے پیچھے روانہ کیا۔ یزید بن ابی سفیان کو جو دمشق میں متعین کئے گئے تھے جب توذر کی آمد کا حال معلوم ہوا تو اس کے مقابلہ کو نکلے عین معرکہ میں پیچھے سے حضرت خالد پہنچ گئے رومیوں کا ایک سپاہی بھی نہ بچ سکا یزید دمشق کی طرف واپس گئے اور خالد ابوعبیدہ کی فوج میں آکر شامل ہو گئے۔

حمص

حمص میں رومی فوجیں جمع ہو رہی تھیں مسلمانوں نے پہنچ کر اس کا محاصرہ کیا جاڑے کا موسم تھا۔ رومیوں نے خیال کیا کہ عرب اس سردی کو برداشت نہیں کرسکیں گے۔ اور ہلاک ہو جائیں گے لیکن مسلمان پورے موسم سرما بھر سختی کے ساتھ محاصرہ کئے ہوئے رہے مجبور ہو کر اہل حمص نے دمشق والوں کی شرط پر صلح کر لی۔

قنسرین

حمص سے خالد قنسرین کی طرف گئے۔ راستہ میں مقام حاضر میں جو حلب کے متصل ہے رومی فوجیں مقابلہ میں آئیں۔ ان کا سردار میناس تھا جس کے رتبہ کا کوئی آدمی رومی سلطنت میں بجز قیصر کے نہ تھا خالد نے ان کو شکست دی۔ میناس مارا گیا اور اس کی فوج زیادہ تر قتل باقی ماندہ گرفتار ہو گئی۔ اسیران جنگ نے خالد سے کہا کہ ہمارا لڑنے کا مطلق خیال نہ تھا میناس نے جبراً ہم کو اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ خالد نے ان کا عذر قبول کیا اور ان کو چھوڑ دیا۔

وہاں سے قنسرین پہنچے وہ لوگ قلعہ گیر ہو گئے۔ خالد نے محاصرہ کیا اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ اگر آسمان پر بھی چڑھ کر بیٹھ جاؤ تو بھی ہم سے بچ نہیں سکتے یا تو اللہ تعالیٰ ہم کو تم تک پہونچا دے گا۔

اُن کے ساتھ جانا چاہے اُس کو بھی امان ہے۔ وغیرہ ۱۵ھ میں عہدنامہ لکھا گیا۔ خالد بن ولید عمرو بن عاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان اس کے شاہد ہیں۔

جابیہ سے بیت المقدس کو گئے وہاں اسلامی فوج نے استقبال کیا خلیفہ کے بدن پر جو لباس تھا وہ اس قدر فقیرانہ تھا کہ مسلمان اس کو دیکھ کر شرماتے تھے وہ ان کے لئے ایک ترکی گھوڑا اور قیمتی لباس لائے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ ہم کو جو عزّت اللہ نے دی ہے وہ اسلام کی عزّت ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے۔

بیت المقدس میں کنیسۂ قمامہ کو دیکھ رہے تھے کہ نماز کا وقت آگیا تبرک نے کہا کہ آپ اسی میں نماز پڑھ لیں لیکن انھوں نے باہر نکل کر زینہ پر تنہا نماز ادا کی۔ اس کے بعد تبرک سے کہا کہ آج اگر میں تمہارے کنیسہ میں نماز پڑھ لیتا تو کل مسلمان اس پر قبضہ کر لیتے اور کہتے کہ ہمارے خلیفہ نے یہاں نماز پڑھی تھی پھر اس زینہ کے متعلق ایک تحریر لکھ کر دی کہ یہاں نہ اذان دی جائے نہ جماعت ہو۔

تبرک اور نیز اہلِ رائے کے مشورے سے مقام صخرہ کو جہاں حضرت یعقوبؑ سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا مسجد بنانے کے لئے منتخب کیا۔ اس پہ خاک اور دھول بہت تھی حضرت عمر نے خود اپنے ہاتھ سے دامن میں بھر کر اٹھانا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر سب لوگ اس کام میں لگ گئے اور تھوڑی دیر میں وہ جگہ صاف ہوگئی پھر وہاں مسجد تعمیر کی گئی جو اب تک مسجد عمر کے نام سے موجود ہے۔

بیت المقدس میں حضرت عمر نے مغلوب عیسائیوں کے ساتھ رواداری کا جو سلوک کیا اور مسلمان امراء نے جس طرح وفاداری کے ساتھ اس عہد کو نباہا اس کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ سختی دیکھی جائے جو یورپ کے صلیبی فدائیوں نے اس شہر پر قبضہ کرتے وقت یہاں کے باشندوں کے ساتھ کی۔

طاعون عمواس

۱۷ھ میں دوبارہ حضرت عمر نے شام کا سفر کیا اور مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر چلے۔ جب مقام سرغ میں پہنچے اور امراء لشکر استقبال کو حاضر ہوئے تو ان کی

مرج روم

دمشق میں معلوم ہوا کہ مرج روم میں دو سپہ سالار تو ذرا اور شنس فوجیں لئے ہوئے پڑے ہیں۔ حضرت ابو عبیدہ اس طرف بڑھے مقدمہ لشکر پر خالد تھے۔

صبح کو جب صف آرائی کا وقت آیا تو خبر ملی کہ توذرا اپنی فوجیں لیکر دمشق کی طرف بڑھ گیا اس لئے ابو عبیدہ نے فوراً خالد کو سواروں کے دستہ کے ساتھ اس کے پیچھے روانہ کیا۔

یزید بن ابی سفیان کو جو دمشق میں متعین کئے گئے تھے جب توذر کی آمد کا حال معلوم ہوا تو اس کے مقابلہ کو نکلے عین معرکہ میں پیچھے سے حضرت خالد پہنچ گئے رومیوں کا ایک سپاہی بھی نہ بچ سکا یزید دمشق کی طرف واپس گئے اور خالد ابو عبیدہ کی فوج میں آکر شامل ہو گئے۔

حمص

حمص میں رومی فوجیں جمع ہو رہی تھیں۔ مسلمانوں نے پہنچ کر اس کا محاصرہ کیا جاڑے کا موسم تھا۔ رومیوں نے خیال کیا کہ عرب اس سردی کو برداشت نہیں کر سکیں گے۔ اور ہلاک ہو جائیں گے لیکن مسلمان پورے موسم سرما بھر سختی کے ساتھ محاصرہ کئے ہوئے رہے مجبور ہو کر اہل حمص نے دمشق والوں کی شرط پر صلح کر لی۔

قنسرین

حمص سے خالد قنسرین کی طرف گئے۔ راستہ میں مقام حاضر میں جو حلب کے متصل ہے رومی فوجیں مقابلہ میں آئیں۔ ان کا سردار میناس تھا جس کے رتبہ کا کوئی آدمی رومی سلطنت میں بجز قیصر کے نہ تھا خالد نے ان کو شکست دی۔ میناس مارا گیا اور اس کی فوج زیادہ تر قتل باقی ماندہ گرفتار ہو گئی۔ اسیران جنگ نے خالد سے کہا کہ ہمارا لڑنے کا مطلق خیال نہ تھا میناس نے جبراً ہم کو اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ خالد نے ان کا عذر قبول کیا اور ان کو چھوڑ دیا۔

وہاں سے قنسرین پہنچے لوگ قلعہ گیر ہو گئے۔ خالد نے محاصرہ کیا اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ اگر آسمان پر بھی چڑھ کر بیٹھ جاؤ تو بھی ہم سے بچ نہیں سکتے یا تو اللہ تعالیٰ ہم کو تم تک پہنچا دے گا۔

اُن کے ساتھ جانا چاہے اُس کو بھی امان ہے۔ وغیرہ ۱۵ھ میں عہدنامہ لکھا گیا۔ خالد بن ولید عمرو بن عاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان اس کے شاہد ہیں۔

جابیہ سے بیت المقدس کو گئے وہاں اسلامی فوج نے استقبال کیا خلیفہ کے بدن پر جو لباس تھا وہ اس قدر فقیرانہ تھا کہ مسلمان اس کو دیکھ کر شرماتے تھے وہ ان کے لئے ایک ترکی گھوڑا۔ اور قیمتی لباس لائے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ ہم کو جو عزت اللہ نے دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے۔

بیت المقدس میں کنیسۂ قمامہ کو دیکھ رہے تھے کہ نماز کا وقت آگیا بترک نے کہا کہ آپ اسی میں نماز پڑھ لیں لیکن انھوں نے باہر نکل کر زینہ پر تنہا نماز ادا کی۔ اس کے بعد بترک سے کہا کہ آج اگر میں تمہارے کنیسہ میں نماز پڑھ لیتا تو کل مسلمان اس پر قبضہ کر لیتے اور کہتے کہ ہمارے خلیفہ نے یہاں نماز پڑھی تھی پھر اس زینہ کے متعلق ایک تحریر لکھ دی کہ یہاں نہ اذان دی جائے نہ جماعت ہو۔

بترک اور نیز اہل رائے کے مشورہ سے مقام صخرہ کو جہاں حضرت یعقوبؑ سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا مسجد بنانے کے لئے منتخب کیا۔ اس پر خاک اور دھول بہت تھی حضرت عمر نے خود اپنے ہاتھ سے دامن میں بھر کر اٹھانا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر سب لوگ اس کام میں لگ گئے اور تھوڑی دیر میں وہ جگہ صاف ہو گئی پھر وہاں مسجد تعمیر کی گئی جو آج تک مسجد عمر کے نام سے موجود ہے۔

بیت المقدس میں حضرت عمر نے مغلوب عیسائیوں کے ساتھ رواداری کا جو سلوک کیا اور مسلمان امراء نے جس طرح وفاداری کے ساتھ اس عہد کو نباہا اس کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ سختی دیکھی جائے جو یورپ کے صلیبی فدائیوں نے اس شہر پر قبضہ کرتے وقت یہاں کے باشندوں کے ساتھ کی۔

طاعون عمواس

۱۷ھ میں دوبارہ حضرت عمر نے شام کا سفر کیا اور مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر چلے۔ جب مقام سرغ میں پہنچے اور امراء لشکر استقبال کو حاضر ہوئے تو ان کی

زبانی معلوم ہوا کہ ملک شام میں طاعون پھیلا ہوا ہے حضرت عمر نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ ایسی حالت میں چلوں یا مدینہ کو واپس جاؤں۔ بہت قیل وقال کے بعد واپسی کی رائے قرار پائی حضرت ابو عبیدہ نے کہا کہ کیا تقدیر الٰہی سے فرار ہے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ ہاں تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی کی طرف! اے ابو عبیدہ کاش تمہارے سوا کوئی دوسرا کہتا۔

دوسرے دن صبح کو عبدالرحمن بن عوف آگئے جو کل کی بحث میں شریک نہیں تھے۔ ان کو جب ان باتوں کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب تم کو معلوم ہو کہ کسی شہر میں وبا ہے تو وہاں نہ جاؤ۔ اور جب تمہاری بستی میں آئے تو اس کے خوف سے نہ بھاگو۔ حضرت عمر نے یہ سنکر اللہ کا شکریہ ادا کیا اور مدینہ واپس آئے۔

یہ وبا طاعون عمواس کے نام سے مشہور ہے بہت سے لوگ اس میں ہلاک ہوئے اسلامی فوج کے امراء میں سے حضرت ابو عبیدہ۔ معاذ بن جبل یزید بن ابی سفیان حارث بن ہشام سہیل بن عمر اور ان کے بیٹے عتبہ سب اسی میں مبتلا ہو کر گذر گئے۔ آخر میں عمرو بن عاص فوج لے کر پہاڑ پر چلے گئے اور ان کو جا بجا متفرق کر دیا اس وقت اس سے نجات ملی۔

طاعون کے دفع ہونے کے بعد حضرت علی کو اپنا قائم مقام کر کے پھر حضرت عمر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ صرف ان کا غلام یرفاء ان کے ساتھ تھا۔ جس وقت پہنچے ہیں اپنی سواری اس کو دے دی تھی اور خود اس کے اونٹ پر سوار تھے۔ وہاں پہنچ کر ملکی اور فوجی انتظامات کئے۔ طاعون کی وجہ سے فوج کے ہزاروں سپاہی مر گئے تھے ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو مقرر کیا۔ مردوں کا مال واسباب ان کے ورثاء کو پہنچایا اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے فوجیں متعین کیں۔

ایک دن نماز کے وقت لوگوں نے درخواست کی کہ حضرت بلال سے اذان کہلایئے خلیفہ کے حکم سے انھوں نے اذان دی۔ چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن خاص تھے اس لئے ان کی اذان سن کر آنحضرت صلعم کی یاد سے لوگوں پر رقت

گو جس وقت عرب ان پر حملہ آور ہوئے ہیں اس وقت نزاعات باہمی کی وجہ سے ان کی حالت خراب تھی لیکن پھر بھی عربوں کے لئے ان کا ایک ایک امیر کافی تھا۔ ان کے پاس لاکھوں کی تعداد میں جنگ آزمودہ فوج تھی جو آئینِ رزم و پیکار کی ماہر اور ہر قسم کے آلاتِ جنگ اور فوجی ساز و سامان سے مسلح و آراستہ تھی۔ سلطنت کے خزانے ان کے لئے کھلے ہوئے تھے۔

رومیوں کا بھی یہی حال تھا وہ ایک ایک معرکہ میں دو دو لاکھ فوجیں میدانِ جنگ میں لاتے تھے۔ دولت اور سامان کی ان کے پاس کمی نہیں تھی۔ فنونِ حرب میں مشاق اور میدانِ جنگ میں تربیت پائے ہوئے تھے۔

ادھر اہلِ عرب کی کیفیت تھی کہ کسی اور معرکہ میں بھی وہ پچاس ہزار سے زیادہ کی جمعیت نہ لا سکے۔ زرہ بکتر۔ جلتہ۔ جوشن۔ چار آئینہ۔ آہنی دستانے وغیرہ جو اس زمانے میں سپاہی کے لئے لازمی چیزیں تھیں۔ ان میں سے ان کے پاس صرف زرہ تھی جو اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب لوہے کے بجائے لکڑی کے بناتے تھے۔ گرز و کمند سے ناآشنا اور ترتیب فوج اور فنون جنگ سے ناواقف۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے انھوں نے دونوں سلطنتوں سے ایک ساتھ لڑائی شروع کی۔ ہر ہر معرکہ میں انھی کو فتح حاصل ہوئی اور ایک قلیل عرصہ میں ان دونوں قدیمی اور زبردست سلطنتوں کے پرخچے اڑا دئے۔

بادی النظر میں ان فتوحات کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور خیال ہوتا ہے کہ یہ تاریخ کا ایک غیر معمولی واقعہ ہے لیکن غائر نظر ڈالنے سے کچھ اسباب کا بھی پتہ لگایا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اہلِ عرب میں اسلام کی تعلیم اور آنحضرتؐ کی صحبت پاک کے اثر سے بےنظیر ہمت ایثار استقلال۔ عالی حوصلگی اور شجاعت پیدا ہو گئی تھی۔ اور وہ اخلاق فاضلہ میں انسانیت کی انتہائی بلندی پر پہنچ گئے تھے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس قوم سے تبلیغ حق کا کام لینا تھا اس لئے ان میں ملکوتی صفات پیدا کر کے ان کے دلوں کو باہم متفق کر دیا تھا۔ وہ ان اوصاف کے ساتھ اقوامِ عالم کے سامنے حق کو پیش کرنے کے لئے نکلے۔ ایسی حالت میں کون سی دنیاوی

زبانی معلوم ہوا کہ ملک شام میں طاعون پھیلا ہوا ہے حضرت عمر نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ ایسی حالت میں چلوں یا مدینہ کو واپس جاؤں۔ بہت قیل و قال کے بعد واپسی کی رائے قرار پائی حضرت ابو عبیدہ نے کہا کہ کیا تقدیر الٰہی سے فرار ہے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ ہاں تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی کی طرف! اے ابو عبیدہ کاش تمہارے سوا کوئی دوسرا کہتا۔

دوسرے دن صبح کو عبدالرحمٰن بن عوف آگئے جو کل کی بحث میں شریک نہیں تھے۔ ان کو جب ان باتوں کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جب تم کو معلوم ہو کہ کسی شہر میں وبا ہے تو وہاں نہ جاؤ۔ اور جب تمہاری بستی میں آئے تو اس کے خوف سے نہ بھاگو۔ حضرت عمر نے یہ سُنکر اللہ کا شکریہ ادا کیا اور مدینہ واپس آئے۔

یہ وبا طاعون عمواس کے نام سے مشہور ہے بہت سے لوگ اس میں ہلاک ہوئے۔ اسلامی فوج کے امراء میں سے حضرت ابو عبیدہ۔ معاذ بن جبل یزید بن ابی سفیان حارث بن ہشام سہیل بن عمر اور ان کے بیٹے عتبہ سب اسی میں مبتلا ہو کر گذر گئے۔ آخر میں عمرو بن عاص فوج لے کر پہاڑ پر چلے گئے اور ان کو جابجا متفرق کر دیا اس وقت اس سے نجات ملی۔

طاعون کے دفع ہونے کے بعد حضرت علی کو اپنا قائم مقام کر کے پھر حضرت عمر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ صرف ان کا غلام یرفا ان کے ساتھ تھا۔ جس وقت پہنچے ہیں اپنی سواری اس کو دے دی تھی اور خود اس کے اونٹ پر سوار تھے۔ وہاں پہنچ کر ملکی اور فوجی انتظامات کئے۔ طاعون کی وجہ سے فوج کے ہزاروں سپاہی مر گئے تھے ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو مقرر کیا۔ مردوں کا مال و اسباب ان کے ورثاء کو پہنچایا اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے فوجیں متعین کیں۔

ایک دن نماز کے وقت لوگوں نے درخواست کی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اذان کہلایئے خلیفہ کے حکم سے انھوں نے اذان دی۔ چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن خاص تھے اس لئے ان کی اذان سُن کر آنحضرت صلعم کی یاد سے لوگوں پر رقت

گو جس وقت عرب ان پر حملہ آور ہوئے ہیں اس وقت نزاعات باہمی کی وجہ سے ان کی حالت خراب تھی لیکن پھر بھی عربوں کے لئے ان کا ایک ایک امیر کافی تھا۔ ان کے پاس لاکھوں کی تعداد میں جنگ آزمودہ فوج تھی۔ جو آئین رزم و پیکار کی ماہر اور ہر قسم کے آلاتِ جنگ اور فوجی ساز و سامان سے مسلح و آراستہ تھی سلطنت کے خزانے ان کے لئے کھلے ہوئے تھے۔

رومیوں کا بھی یہی حال تھا وہ ایک ایک معرکہ میں دو دو لاکھ فوجیں میدانِ جنگ میں لاتے تھے۔ دولت اور سامان کی ان کے پاس کمی نہیں تھی۔ فنونِ حرب میں مشاق اور میدانِ جنگ میں تربیت پائے ہوئے تھے۔

ادھر اہل عرب کی کیفیت تھی کہ کسی اور معرکہ میں بھی وہ پچاس ہزار سے زیادہ کی جمعیت نہ لا سکے۔ نہ زرہ بکتر۔ حلیتہ۔ جوشن۔ چار آئینہ۔ آہنی دستانے وغیرہ جو اس زمانے میں سپاہی کے لئے لازمی چیزیں تھیں۔ ان میں سے ان کے پاس صرف زرہ تھی جو اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب لوہے کے بجائے لکڑی کے بناتے تھے۔ گرز و کمند سے ناآشنا اور ترتیب فوج اور فنون جنگ سے ناواقف۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے انھوں نے دونوں سلطنتوں سے ایک ساتھ لڑائی شروع کی۔ ہر ہر معرکہ میں انھی کو فتح حاصل ہوئی اور ایک قلیل عرصہ میں ان دونوں قدیمی اور زبردست سلطنتوں کے پرخچے اڑا دئے۔

بادی النظر میں ان فتوحات کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور خیال ہوتا ہے کہ یہ تاریخ کا ایک غیر معمولی واقعہ ہے لیکن غائر نظر ڈالنے سے کچھ اسباب کا بھی پتہ لگایا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب میں اسلام کی تعلیم اور آنحضرتؐ کی صحبت پاک کے اثر سے بےنظیر ہمت ایثار استقلال۔ عالی حوصلگی اور شجاعت پیدا ہو گئی تھی۔ اور وہ اخلاق فاضلہ میں انسانیت کی انتہائی بلندی پر پہنچ گئے تھے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس قوم سے تبلیغ حق کا کام لینا تھا اس لئے ان میں ملکوتی صفات پیدا کر کے ان کے دلوں کو باہم متفق کر دیا تھا۔ وہ ان اوصاف کے ساتھ اقوامِ عالم کے سامنے حق کو پیش کرنے کے لئے نکلے۔ ایسی حالت میں کون سی دنیاوی

طاقت ہو سکتی تھی جو ان کی ٹکر کو اٹھا سکتی۔

ہر ملک کی رعایا ان کی عدل و انصاف اور وفاداری اور راستبازی کی وجہ سے ان کی گرویدہ ہو جاتی تھی بلکہ ان میں سے اکثر اسلام قبول کر کے اس لشکرِ حق میں شریک ہو جاتے تھے یا جزیہ دینا قبول کر لیتے تھے۔

لیکن یہ امت عربیہ کی تعریف ہے حضرت عمرؓ کا کمال یہ تھا کہ انھوں نے امت کے ان صفاتِ عالیہ کی تربیت کی اور ان سے کام لیا ورنہ یہی لوگ ان کے بعد بھی تو تھے مگر وہ شان کہاں رہی۔

فاروق اعظم گو بذاتِ خود ان لڑائیوں میں سے کسی ایک میں بھی شریک نہیں ہو سکے لیکن ان کی دوربین نگاہ ان فوجوں کے جو ایران و روم میں مصروف پیکار تھیں جزی سے جزی واقعہ کی طرف بھی رہتی تھی بسلسلہ وار ہدایات اور احکام بھیجتے رہتے تھے۔ ان کی حالت اگر غور سے دیکھی جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان فوجوں کے اصلی سپہ سالار وہی تھے اور مدینہ میں بیٹھے ہوئے ان کو پوری توجہ کے ساتھ دونوں طرف لڑا رہے تھے۔

دنیا میں اور جو بڑے بڑے فاتح ہوئے ہیں ان کو دیکھو تو وہ حضرت عمرؓ کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ کیونکہ ان کے کارنامے سفاکیوں اور خونریزیوں سے لبریز ہیں اور ان کی فتوحات اسلامی اصول کی پابندی کے ساتھ ہوئیں جن میں ناجائز خون کا ایک قطرہ اور ناانصافی کا ایک داغ نظر نہیں آتا۔ اس احتیاط کے ساتھ دنیا میں زمین کا ایک چپہ بھی کسی کشورکشا نے لیا؟

جمہوریت

اسلام کل بنی نوع انسان کو جو اس کے حدود میں داخل ہوں مساوات عطا کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عمال حکومت بلکہ خود خلیفہ بھی ایک معمولی رعایا کے برابر تھا ہر شخص کو اس کے اوپر نکتہ چینی کا اختیار تھا اور یہی وہ چیز ہے جو جمہوریت کی اصلی روح ہے۔

وہ کسی امر کو بذاتِ خود بلا مشورہ کے طے نہیں کرتے تھے بلکہ مہاجرین اور انصار سے ہر کام میں رائے لیتے تھے۔ اور جب کوئی بڑی مہم پیش آجاتی تھی تو مسلمانوں کے مجمع عام میں

اس کو پیش کرتے تھے. ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی اگر کوئی صحیح رائے دیتا تھا. تو اسکو فوراً مان لیتے تھے۔

ایک بار جب انھوں نے دیکھا کہ لوگوں نے عورتوں کے مہروں میں بہت اضافہ کر دیا ہے چاہا کہ کوئی خاص حد مقرر کر دیں۔ مسجد میں لوگوں کے سامنے بیان فرمایا کسی کونے سے ایک عورت کی آواز آئی. کہ یہ کیا! اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔

وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا۔ اور تم نے ان بیویوں میں سے کسی کو بہت سا مال دے دیا تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔

یہ سُن کر بول اُٹھے کہ عورت نے سچ کہا. عمر غلطی پر تھا۔

ہمیشہ لوگوں سے یہ کہتے رہتے تھے کہ جو خیر خواہی کی بات ہو مجھ تک پہنچاؤ. اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے راہِ حق دکھاؤ اور جو حق پر چل رہا ہوں تو میری مدد کرو۔

ایک بار مسجد میں اسی قسم کی تقریر کی. ایک شخص نے اٹھ کر تلوار کھینچ لی. اور کہا کہ اگر آپ حق سے منہ موڑیں گے تو ہم اس کے ذریعہ سے راہِ راست پر لائیں گے. یہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ الحمد للہ میری قوم میں ایسے لوگ ہیں کہ میں اگر کجروی اختیار کروں تو وہ مجھے سیدھا کرنے کے لئے تیار ہیں۔

(صحابۂ کبار میں سے صاحبانِ عقل و رائے مثلاً حضرت عباس. عبد الرحمٰن بن عوف. عثمان اور علی وغیرہ رضی اللہ عنہم کو مشورہ کی غرض سے سفر اور حضر میں اکثر اپنے ساتھ رکھتے تھے)

(اجتماعیات کے متعلق ان کی یہ رائے تھی کہ مسلمانوں کی مجلسیں مخصوص اشخاص پر محدود نہیں ہونی چاہئیں بلکہ ہر قسم کے لوگ باہم مل کر بیٹھا کریں. کیونکہ چند اشخاص جب اپنی محفل کو مخصوص کر لیتے ہیں تو ان کی رائے عام رائے سے الگ ہو جاتی ہے اور اس اختلافِ رائے کا نتیجہ ہے تفریق۔ اس لئے نصیحت کیا کرتے تھے کہ تم لوگ اپنی مجلسوں کو عام رکھو اور سب باہم مل کر بیٹھو اس سے آپس میں محبت بڑھے گی اور اتحاد و اتفاق قائم اور دشمنوں پر رعب غالب رہے گا ایسا نہ ہو کہ آئندہ آنے والی نسلیں یہ کہیں کہ فلاں کی رائے یہ تھی اور فلاں کا خیال یہ تھا. کیونکہ

اس سے اسلام کے ٹکڑے ہو جائیں گے اور امت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

عمال حکومت

حضرت عمر امراء کی مصلحت خاصہ پر رعایا کی بہبود عامہ کو مرجح سمجھتے تھے۔ ان کی نگاہ میں والی بھی رعایا کا ایک فرد تھا۔ اس کے اوپر بھی قانون عدل اسی قدر حاوی تھا جس قدر دوسرے لوگوں پر۔ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی اگر کسی عامل کی شکایت کر دیتا تھا تو عدل فاروقی اس عامل کو لا کر اس کے برابر کھڑا کر دیتا تھا اور پھر جس سزا کا وہ مستوجب ٹھہرتا اس سے بچ نہیں سکتا تھا۔

مدبرین سیاست کی رائیں اس مسئلہ میں مختلف ہیں بعض لوگ معمولی باتوں پر عمال حکومت کی گرفت کو سلطنت کے رعب کے منافی سمجھتے ہیں۔ ان کی یہ رائے اس وقت جبکہ ملک میں کسی قسم کا اضطراب ہو درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایسی حالت میں مصلحت عامہ کے لئے عمال کا رعب مفید ہوتا ہے اور غالباً یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق اپنے امراء کے اقتدار کا زیادہ لحاظ رکھتے تھے کیونکہ ان کے عہد میں جابجا شورشیں برپا تھیں لیکن حضرت عمر مساوات کے عاشق تھے اور ان کا عہد بھی اندرونی شورش سے پاک تھا۔ اس لئے وہ بڑے سے بڑے والی اور امیر اور ادنیٰ سے ادنیٰ رعیت کے فقیر کو یکساں سمجھتے تھے۔

جب وہ کسی کو کسی ناحیہ کا عامل مقرر کرتے تھے تو اس کو اس کے فرائض اچھی طرح سمجھا دیتے تھے۔ خود اس کو رخصت کرنے کے لئے جاتے تھے اور روانگی کے وقت تک مساوات اور عدل کا سبق دیتے رہتے تھے مسلمانوں کے مجمع عام میں بار بار اس کی تصریح کرتے تھے کہ عمال اس لئے مقرر کئے جاتے ہیں کہ امت کو دین کی تعلیم دیں سنت پر چلائیں مال غنیمت تقسیم کریں خراج اور زکوٰۃ کو ان کے مستحقین تک پہنچائیں نہ کہ خود اس میں سے اپنا حصہ لگائیں یا رعایا کو ستائیں۔ اگر میرے پاس اس قسم کی کوئی شکایت کسی والی کی آئی تو میں صاف صاف کہتا ہوں کہ اس کو ضرور اس کی سزا دوں گا۔

حضرت عمرو بن عاصؓ نے کہا کہ اگر کوئی امیر اپنی رعایا میں سے کسی کو ادب دینے کے

لئے سزا دے تو کیا آپ اس کا بدلہ لیں گے؟ فرمایا کہ ہاں! ضرور بدلہ لوں گا میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ وہ خود اپنی ذات سے بدلہ دینے کے لئے تیار ہو جاتے تھے میں یہ کیونکر گوارا کر سکتا ہوں کہ کوئی امیر کسی شخص کو ذلیل کرے یا مارے یا اس کا حق زائل کرے۔

یہی وجہ تھی کہ انہوں نے عام حکم دے رکھا تھا کہ امراء اور عمال ہر سال حج کے موسم میں مکہ میں آکر مجھ سے ملیں وہاں جس شخص کو ان کے خلاف کوئی شکایت ہو وہ پیش کرے اس رسوائی عام سے ڈر کر ان کے عہد میں ملک کے تمام کارپرداز انصاف احتیاط اور عدل و مساوات کے ساتھ اپنے فرائض کو ادا کرتے تھے۔

جس امیر کی شکایت ان کے پاس پہنچتی تھی اس کو بلا کر پوری تفتیش کرتے تھے۔ حضرت سعد فاتح قادسیہ و مدائن کی جب شکایت ہوئی تو ان کو بلا کر مجمع عام میں تحقیقات کی اور جب وہ بری ثابت ہوئے تو فرمایا کہ اے سعد! میرا گمان بھی تمہارے متعلق یہی تھا مغیرہ بن شعبہ والی بصرہ پر جب الزام لگایا گیا تو ان کو بھی طلب کیا۔ گواہ جھوٹے ثابت ہوئے لہذا ان پر حد شرعی جاری کی۔ عمار بن یاسر والی کوفہ کی شکایت ہوئی کہ یہ طرز حکومت سے واقف نہیں ہیں ان کو بلا کر چند سوالات کئے معلوم ہوا کہ شکایت صحیح ہے اس لئے معزول کر دیا۔ عمرو بن عاص والی مصر پر ایک قبطی نے نالش کی کہ ان کے بیٹے عبداللہ نے بلا وجہ مجمع عام میں مجھ کو مارا دونوں باپ بیٹوں کو مصر سے طلب کیا اور عبداللہ کو سزا دی۔

بجز چند امراء کے جن میں ابو عبیدہ اور امیر معاویہ ممتاز تھے ان کے عہد میں کوئی عامل یا والی ان کی باز پرس سے محفوظ نہیں رہا۔

ان سب پر مزید یہ کہ انھوں نے محمد بن مسلمہ کو جن پر وہ کامل اعتماد رکھتے تھے امراء اور عمال کی نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا۔ وہ ہر جگہ کا دورہ کرتے تھے۔ ہر شخص کو کامل آزادی تھی کہ ان کے پاس جا کر عامل کی جو شکایت ہو بلا کم و کاست بیان کرے وہ علی رؤس الاشہاد اس کی تحقیقات کرتے تھے۔ حضرت عمر کا ہاتھ اس قدر قوی تھا کہ یہ ناممکن تھا کہ کوئی والی اپنے اقتدار

کی وجہ سے کسی شہادت پر اثر ڈال سکے۔

عمال کی آمدنی اور خرچ اور ان کی ثروت پر بھی نظر رکھتے تھے۔ اگر کسی کے پاس آمدنی سے زیادہ ذخیرہ دیکھتے تھے تو اس سے پرسش کرتے تھے۔ کارپردازان حکومت کو تجارت کی قطعی اجازت نہ تھی۔

بہی خواہی اُمّت

حضرت عمرؓ جس قدر امراء اور عمال کے لئے سخت تھے اسی قدر رعایا کے لئے نرم۔ اُن کی بہبود اور فلاح کے خیال میں ہمیشہ غرق رہتے تھے اور خلافت کی عظیم الشان ذمہ داری کا ان کو حد سے زیادہ احساس تھا۔ فرماتے تھے کہ اگر ساحل فرات پر بھی کوئی اونٹ ضائع ہو جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس کی جواب دہی کرنی پڑے گی۔

قبائل کے دفاتر خود اٹھا کر لے جاتے تھے اور بچوں اور عورتوں کو نام بنام بلا کر خود ان کے ہاتھوں میں ان کا وظیفہ دیتے تھے۔ نواح مدینہ میں راتوں کو گشت لگاتے تھے اور اکثر جب کوئی قافلہ وہاں آکر اُترتا تھا تو خود جا کر رات کو پاسبانی کرتے تھے۔

ایک رات اپنے غلام اسلم کو لیکر مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام صرار میں پہنچے دیکھا کہ ایک خیمہ میں ایک بڑھیا کچھ پکا رہی ہے اور چند بچے اس کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ قریب جا کر کیفیت دریافت کی۔ اس نے کہا کہ یہ بچے بھوک کے مارے رو رہے ہیں۔ پوچھا کہ ہانڈی میں کیا پک رہا ہے۔ اس نے کہا کہ کچھ نہیں بچوں کو بہلانے کے واسطے خالی پانی چڑھا دیا ہے کہ کھانے کی امید میں ان کا جی بہل جائے اور سو جائیں یہ سن کر کانپ اٹھے اور اپنے غلام کو ساتھ لئے ہوئے فوراً مدینہ واپس آئے۔ بیت المال کا دروازہ کھولا۔ آٹے کا تھیلا اور گھی کا برتن اٹھایا۔ غلام نے کہا کہ میرے کندھے پر رکھ دیجئے۔ فرمایا کہ کیا قیامت میں بھی تم میرا بوجھ اٹھاؤ گے۔ خود لاکر بڑھیا کے سامنے رکھ دیا اور چولھا پھونکنے لگے۔ اس نے پکا کر بچوں کو کھلایا جب وہ کھا کر خوش ہو گئے اور ہنسنے اور کھیلنے لگے تو وہاں سے واپس چلے۔ بڑھیا نے کہا کہ اللہ تمہیں جزائے خیر دے خلیفہ

تم کو ہونا چاہیئے نہ کہ عمر کو۔ فرمایا کہ کل تم مدینہ میں اپنے بچوں کو لے کر خلیفہ کے پاس آؤ۔ وہاں انشاء اللہ میں ملوں گا۔ تمہارا کچھ وظیفہ مقرر ہو جائے گا۔

ہر چند کہ یہ جزئی واقعات ہیں لیکن ان سے ان کی رعیت پروری اور شفقت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اپنے فرض اور مسئولیت کا کس قدر ان کو احساس اور خوف تھا۔

باوجود اس شفقت اور رحمت کے ان کی ہیبت اس قدر دلوں پر چھائی ہوئی تھی کہ بڑے بڑے امراء ان سے بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ اور زیادہ تر حضرت عثمان اور عبدالرحمٰن بن عوف کے توسط سے اپنے معاملات ان تک پہنچاتے تھے۔ ان کے ہاتھ میں صرف ایک دُرّہ یعنی ایک چھوٹا عصا رہتا تھا جس کا خوف لوگوں کے اوپر تیغ دودم سے بھی زیادہ تھا اور بجز چند صحابۂ کبار کے اس سے بچے بھی کم لوگ تھے۔

ایک بار لوگوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا کہ خلیفہ کا رعب ہمارے اوپر اس قدر ہے کہ ہم ان کے آگے لب نہیں ہلا سکتے بلکہ ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہوئے بھی دل لرزتا ہے۔ انھوں نے حضرت عمر سے اس کو بیان کیا فرمایا اللہ جانتا ہے کہ جس قدر لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں۔ اس سے زیادہ میں خود ان سے ڈرتا ہوں کیونکہ ان کی ذمہ داری میرے اوپر ہے۔

ایک شخص جو نہ محافظ رکھتا ہو نہ دربان۔ نہ اس کے پاس نیزہ ہو نہ تلوار۔ لباس میں پیوند در پیوند لگے ہوئے ہوں۔ ادنیٰ ادنیٰ رعیت کی خود خدمت کرتا ہو اُس کے رُعب کا یہ عالم۔ اس کو سوائے جلال حق کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

بیت المال کی حفاظت

حضرت عمر جس طرح خود عدل و مساوات کے عاشق تھے اسی طرح یہ چاہتے تھے کہ ہر مسلمان اس کا خیال رکھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی مثال سے اس کو لوگوں کے خاطر نشین کرنا چاہتے تھے۔

بیت المال کے خزانہ کو سوائے مستحقین کے اور کسی کے لئے حلال نہیں سمجھتے تھے خود اپنے اخراجات کے لئے اس قدر کم رقم لیتے تھے کہ نہایت تنگی سے بسر اوقات ہوتی تھی۔ جو کی روٹی

ان کی غذا تھی اور زیتون کا تیل ان کا سالن حضرت عثمان اور زبیر وغیرہ رضی اللہ عنہم نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو ترس کھا کر ان کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ ہمارا نام ظاہر نہ کریں۔ لیکن اپنے باپ سے جا کر یہ کہیں کہ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ آپ بیت المال سے جو روزینہ لیتے ہیں وہ آپ کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس میں کچھ اور اضافہ کیجئے۔ انھوں نے جا کر جب کہا تو فرمایا کہ وہ کون لوگ ہیں جو ایسی ترغیب دیتے ہیں میں ان کی خبر لوں گا حضرت حفصہ نے کہا کہ ان کا نام ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ فرمایا کہ اچھا تم میرے اور ان کے درمیان میں ہو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاقے نہیں کئے۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے نہیں پہنے۔ پھر جب انھوں نے فضولیات دنیا کی طرف توجہ نہیں کی تو مجھے بھی اسی حالت میں رہنے دو میری مثال یہ ہے کہ تین ساتھی ایک منزل کی طرف چلے۔ پہلا پہنچ گیا۔ دوسرا بھی اس کے پیچھے گیا وہ بھی پہنچ گیا۔ اب میں بھی اگر اسی توشہ پر راضی ہو کر اسی راستہ پر چلوں گا تو اپنے ساتھیوں سے جا ملوں گا۔ نہیں تو بھٹک کر دور جا پڑوں گا۔

اپنے اہل و عیال کو بھی وہ اپنی ہی طرح رکھنا چاہتے تھے۔ ان کے دونوں بیٹے عبداللہ اور عبیداللہ عراق کی فوج میں تھے جب مدینہ واپس آنے لگے تو بصرہ کے والی ابو موسیٰ اشعری نے ان سے کہا کہ یہاں خزانہ میں ایک رقم جمع ہے جس کو میں خلیفہ کے پاس بیت المال میں بھیجنا چاہتا ہوں تم اس کو لیکر یہاں سے کوئی تجارتی سامان خرید لو۔ مدینہ میں پہنچکر اسکو فروخت کر کے اصل رقم بیت المال میں داخل کر دینا اور نفع خود لے لینا۔ ان دونوں بھائیوں نے ایسا ہی کیا حضرت عمر کو جب معلوم ہوا تو ان کو بلا کر کہا کہ اس کا نفع کہاں ہے۔ ان دونوں نے جواب دیا کہ یہ مال والی بصرہ نے ہم کو قرض دیا تھا۔ یہاں آ کر ہم نے وہ قرض ادا کر دیا۔ فرمایا کہ صرف امیر المومنین کے بیٹوں کو قرض دیا گیا تھا یا ساری فوج کو۔ یہ سنکر عبداللہ خاموش ہو گئے لیکن عبیداللہ نے کہا کہ اس کی ذمہ داری بھی تو ہمارے اوپر تھی۔ اگر نقصان ہوتا یا یہ مال ضائع ہو جاتا تو ہم کو اپنے پاس سے ادا کرنا پڑتا۔ اس پر لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ منافع میں سے نصف ان لوگوں کو دیا جائے اور نصف

بیت المال میں داخل ہو۔

اسی طرح جب ایک بار قیصر روم کو خط بھیجا تو ان کی بیوی ام کلثوم نے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیٹی تھیں اسی قاصد کے ہاتھ اپنی طرف سے ملکۂ روم کے لئے کچھ تحفے بھیجے وہاں سے قیصرہ نے ان کے لئے ہدیہ بھیجا جس میں موتی کی ایک بیش قیمت مالا بھی تھی۔ حضرت عمر کو جب اس کا علم ہوا تو اس کو لے کر بیت المال میں داخل کر دیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ ملکۂ روم کا ہدیہ ہے جو نہ آپ کے زیر فرمان ہے نہ اس کے مال سے آپ کو کچھ تعلق ہے فرمایا کہ قاصد مسلمانوں کا تھا اور اس کے اخراجات بیت المال سے دئے گئے تھے ام کلثوم کو صرف اس قدر دلا دیا جتنا ان کا صرفہ پڑا تھا۔

یہ سب تشدد اپنی ذات اور اپنے متعلقین پر اس لئے تھا کہ لوگوں کو اس بات کا سبق دیں کہ مسلمانوں کے مال سے وہ پرہیز کریں اور بلا استحقاق اس کو نہ لیں جب وہ مسلمانوں کو کسی بات سے منع کرتے تھے تو گھر میں آ کر اپنے عیال کو جمع کر کے کہہ دیتے تھے کہ دیکھو لوگوں کو میں نے فلاں چیز سے منع کیا ہے۔ تم اس کے قریب نہ جانا سب کی نگاہیں تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں تم میں سے اگر کوئی اس کا مرتکب ہوگا تو اس کو دونی سزا دوں گا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر نے امت عربیہ کی صحیح تشخیص کی۔ اور سیدھے راستہ پر ان کو چلایا۔ ان کی مثال اس نسخہ کامل کی تھی جس کے تمام اجزاء مریض کی صحت کے لئے ضروری ہوتے ہیں کہ اگر اس میں سے کوئی دوا کم کر دی جائے تو پھر اس کا وہ اثر باقی نہیں رہتا زمانہ مابعد میں خلفاء اسلام میں سے کوئی فاروق اعظم جیسا مجموعۂ کمالات نہیں ہوا یہی وجہ ہے کہ امت کسی کے عہد میں اتنے کارہائے نمایاں انجام نہ دے سکی!

بیتِ عمرؓ

اسلام لانے سے پہلے حضرت عمرؓ نے زینب بنت مظعون سے جو بنی جمح میں سے تھیں نکاح کیا۔ ان سے عبداللہ۔ عبدالرحمٰن اکبر اور ام المومنین حفصہ پیدا ہوئیں یہ مسلمان ہوئی تھیں۔ مکہ میں ہجرت سے پہلے انتقال کر گئیں۔

دوسری بیوی ملیکہ بنت جرول خزاعی تھیں۔ ان سے عبیداللہ پیدا ہوئے۔ تیسری بیوی قریبہ مخزومیہ تھیں ان دونوں کو اسلام نہ لانے کی وجہ سے صلح حدیبیہ کے زمانہ میں طلاق دے دی۔ مدینہ میں جمیلہ بنت قیس انصاریہ ان کے نکاح میں آئیں۔ ان کے بطن سے عاصم تھے پھر حضرت علی کی بیٹی ام کلثوم سے عقد کیا۔ ان سے زید اور رقیہ دو بچے ہوئے۔ لیکن دونوں بلا اولاد کے گزر گئے۔ لہیہ یمنی سے نکاح کیا ان سے عبدالرحمٰن اصغر پیدا ہوئے آخری بیوی عاتکہ بنت زید تھیں۔

وفات

مدینہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کا ایک ایرانی غلام ابولو لو فیروز نامی تھا۔ اس نے ایک بار حضرت عمر سے شکایت کی کہ مغیرہ نے مجھ پر محصول زیادہ لگا رکھا ہے اس کو کم کرا دیجئے۔ پوچھا کہ کس قدر ہے اس نے کہا کہ دو درہم روزانہ۔ کہا کہ تم کام کیا کرتے ہو اس نے جواب دیا کہ نجاری۔ نقاشی اور آہنگری۔ فرمایا کہ ان دستکاریوں کے ساتھ تو دو درہم کچھ زیادہ نہیں۔ وہ اس فیصلہ سے ناراض ہوا۔

دوسرے دن فجر کے وقت مسجد میں گیا حضرت عمر نماز پڑھا رہے تھے۔ اس نے خنجر دودم سے ان پر کئی وار کئے۔ ایک زخم ناف کے نیچے لگا۔ اور وہی ہلاکت کا باعث ہوا۔ ان کے پیچھے صف میں کلیب بن بکیر لیثی تھے۔ ان کو بھی اس نے قتل کر ڈالا۔ جب لوگوں نے اس کو پکڑا تو اس نے خودکشی کر لی۔

حضرت عمر زخم کھا کر گر پڑے اور کہا کہ دیکھو کس نے مجھے قتل کیا۔ لوگوں نے جب نام بتایا تو فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرا قاتل کوئی مسلمان نہیں۔ بلکہ ایک ایسا شخص ہے جس نے اللہ کو کبھی ایک سجدہ بھی نہیں کیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے نماز پڑھائی۔ اور لوگ حضرت عمر کو اٹھا کر گھر میں لائے۔ جب دوا پلائی گئی تو زخم کی راہ سے باہر نکل پڑی۔ اس لئے یقین ہو گیا کہ یہ جانبر

نہیں ہو سکتے۔

حضرت عمر نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس جاکر درخواست کرو کہ وہ اپنے حجرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب مجھے دفن ہونے کی اجازت دے دیں وہ گئے۔ حضرت عائشہ اس حادثہ پر رو رہی تھیں۔ فرمایا کہ اس جگہ کو میں نے اپنے لئے محفوظ رکھا تھا لیکن حضرت عمر کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔ عبداللہ نے واپس آکر خوشخبری سنائی فرمایا یہی سب سے بڑی آرزو تھی۔

زخم کے لگنے کے تیسرے دن ۲۷ ذی حجہ ۲۳ھ چہارشنبہ کے روز شام کو وفات پائی۔ دوسرے دن صبح کو دفن کئے گئے۔ ان کی وصیت کے مطابق حضرت صہیبؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ عمر ۶۳ سال کی تھی۔

کل مدت خلافت دس سال چھ مہینہ چار دن تھی۔

صفاتِ عمرؓ

حضرت عمرؓ قبول اسلام سے پہلے شہسواری اور پہلوانی میں مشہور تھے۔ انھوں نے عرب کے مشہور بازار عکاظ میں کئی دنگل جیتے تھے۔ انساب قبائل سے خوب واقف تھے اور قریش کی سفارت کا منصب ان کو حاصل تھا کئی بار شام اور عراق کے بادشاہوں کے پاس سفیر بن کر گئے تھے۔ حجاز میں اگرچہ اس زمانہ میں کتابت کا رواج بہت کم تھا لیکن یہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ مدینہ میں آکر عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔

ان کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کو بہت تقویت پہنچی اُن کی جرأت کی بدولت مسلمان خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے لگے۔ ہجرت کے بعد آنحضرتؐ کے ساتھ بلا استثنا تمام غزوات میں شریک رہے۔

جب خلیفہ ہوئے تو ان کی قوت تدبیر اور حسن سیاست سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عظیم الشان شوکت بخشی۔ بڑی بڑی سلطنتیں اسلامی جھنڈے کے نیچے آگئیں اور یہ دین حق اقوام و ملل پر غالب آگیا۔

بزرگی اور عظمت کے لحاظ سے حضرت ابوبکرؓ کے بعد ان کا درجہ امت میں سب سے بلند ہے۔

لیکن ان کا رعب جلال اُن سے زیادہ تھا۔ فوج کا دفتر ان ہی کے عہد میں مرتبہ ہوا کوفہ بصرہ فسطاط، موصل اور جیزہ یہ سب شہر انہوں نے آباد کرائے۔ سنہ ہجری انھی کا مقرر کیا ہوا ہے۔
ان کے عہد میں کتاب وسنت کا سمجھنے والا ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔ فقہ کے مجتہد اول یہی ہیں نہایت بلند پایہ خطیب اور مقرر تھے۔ ان کی ذات امت اسلامیہ کے لئے مایۂ شوکت وعزت وباعث رحمت وبرکت تھی رضی اللہ عنہ۔

عمال عہد عمرؓ

طائف۔ سفیان بن عبداللہ ثقفی
صنعا۔ یعلیٰ بن منیہ
جند۔ عبداللہ بن ربیعہ
بحرین۔ عثمان بن ابی العاص
کوفہ۔ مغیرہ بن شعبہ
بصرہ۔ ابوموسیٰ اشعری
شام۔ امیر معاویہ
مصر۔ عمرو بن عاص
مکہ۔ نافع بن عبدالحارث خزاعی

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

جب صحابہ نے دیکھا کہ اس مہلک زخم سے حضرت عمرؓ کا بچنا مشکل ہے تو ان سے درخواست کی کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر کردیں وہ متردد تھے۔ فرمایا کہ اگر میں کسی کو خلیفہ بنادوں تو یہ بھی بے جا نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوبکرؓ نے جو مجھ سے بہتر تھے ایسا کیا ہے اور اگر نہ بناؤں تو بھی نامناسب نہیں ہے اس لئے کہ آنحضرتؐ نے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا تھا۔ آج ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو میں ان کو اپنا قائم مقام کردیتا۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کی بازپرس کرتا تو میں کہہ دیتا کہ میں نے تیرے نبی سے سنا تھا کہ ابوعبیدہؓ اس امت میں امین ہیں یا ابوحذیفہ کا غلام سالم ہوتا تو اس کو خلیفہ بنادیتا اور اللہ سے کہتا کہ میں نے تیرے نبی سے سنا تھا کہ سالم للّٰہیت کا شیدائی ہے۔

کسی شخص نے کہا کہ آپ کے بیٹے عبداللہ اس کے لئے موزوں ہیں۔ فرمایا کہ نہیں۔ جسے بیوی کو طلاق دینے کا سلیقہ نہ آیا اس کو میں امت کا خلیفہ کیسے بنا دوں۔ میرے اوپر یہ امارت خود ایک بار گراں تھی اس لئے اب میں اپنے خاندان کے کسی شخص پر اس بوجھ کو ڈالنا پسند نہیں کرتا ایک عمر ہی کے لئے اس کی جواب دہی کیا کم ہے کہ اپنے کنبہ میں سے دوسروں کو بھی مصیبت میں ڈالے میں نے اپنے کو اور اپنے متعلقین کو بہت سی آسائشوں سے محروم رکھا پھر بھی خلافت کی ذمہ داریوں سے اگر اللہ تعالیٰ کے دربار میں بلا ثواب اور بلا عذاب کے چھوٹ جاؤں تو سمجھوں گا کہ بڑا خوش قسمت ہوں۔

یہ سن کر لوگ خاموش ہو گئے۔ لیکن معاملہ چونکہ زیادہ اہم تھا اس لئے دوسرے وقت پھر اس کو چھیڑا حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں بھی چاہتا ہوں کہ کسی ایسے شخص کو امت کا امیر بنا دوں جو اس کے بوجھ کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہو لیکن میں نے سوچا کہ زندگی کی طرح مرنے کے بعد بھی اس کی ذمہ داری میرے ہی اوپر رہے گی اس لئے میری ہمت نہیں پڑتی یہ چھ آدمی ہیں۔ حضرت علی عثمان عبدالرحمٰن بن عوف۔ سعد بن ابی وقاص۔ زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے۔ ان میں سے کسی ایک شخص کو منتخب کر کے امیر بنا لو۔ اور نیک نیتی کے ساتھ اس کی امداد کرو۔ جو امانت جس کے سپرد ہو وہ اس میں خیانت نہ کرے۔

یہ کہہ کر مذکورہ بالا اصحابہ کو بلایا۔ اور فرمایا کہ جہاں تک میں نے نظر ڈالی تم لوگ چھ آدمی میری نگاہ میں امت کے سردار معلوم ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت دنیا سے تشریف لے گئے تم لوگوں سے راضی گئے اگر تم راہ راست پر رہے تو تمہارے لئے کسی کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن اگر خود تم میں باہم مخالفت ہوئی تو امت میں تفرقہ پڑ جائے گا۔

اس کے بعد ان کے لئے میعاد مقرر کی۔ کہ میری موت کے بعد زیادہ سے زیادہ تین دن کے اندر انتخاب ہو جانا چاہیئے۔ مقداد بن اسود کو حکم دیا کہ جب مجھ کو دفن کر کے فارغ ہو جائیں تو ان چھ آدمیوں کو ایک مکان میں جمع کرنا تاکہ یہ اپنے آپ میں سے کسی کو امیر منتخب کر لیں عبداللہ

بن عمر کو رائے دینے کے لئے بلالیا لیکن امارت سے ان کو کوئی سروکار نہ ہو گا فیصلہ کثرت رائے سے ہو اگر دونوں طرف رائیں برابر ہوں تو عبداللہ کی رائے لے کر فیصلہ کر دینا۔ اگر ان کی رائے قابل قبول نہ سمجھی جائے تو وہ فریق غالب ہوگا جس کی طرف عبدالرحمٰن بن عوف ہوں گے فیصلہ ہو جانے کے بعد بھی جو لوگ نہ مانیں اور اپنے دعوے پر اڑے رہیں ان کو قتل کر دینا!

حضرت عمر کے دفن کے بعد مقداد ان صحابہ کو لے کر مسور بن مخرمہ کے گھر میں آئے اندر بٹھا کر خود دروازے پر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ خلیفہ کی وصیت کے مطابق تین دن کے اندر اندر آپ لوگ اپنے آپ میں سے امیر منتخب کر لیں۔

تھوڑی دیر تک سب لوگ خاموش بیٹھے رہے۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن نے کہا کہ ہم میں سے کون ہے جو خلافت سے دست بردار ہو جائے اسی کو یہ اختیار ہو گا کہ اس جماعت میں سے جس کو افضل سمجھے خلیفہ منتخب کر دے۔ یہ سن کر سب لوگ چپ رہے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں دست بردار ہوتا ہوں حضرت عثمان نے فرمایا کہ سب سے پہلے میں اس بات پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہوں کہ تم جس کو چاہو ہم میں سے امیر بنا دو ان کے بعد اور لوگوں نے اس بات کو منظور کیا لیکن حضرت علی کچھ نہیں بولے۔ عبدالرحمٰن نے ان سے کہا کہ آپ کیا کہتے ہیں فرمایا کہ اس بات کا عہد کرو کہ بلا نفسانیت اور رشتہ داری کے خیال کے محض حق پرستی اور امت کی خیر خواہی پیش نظر رکھ کے انتخاب کرو گے انھوں نے کہا کہ تم اس بات کا پختہ وعدہ کرو کہ جس کو میں منتخب کر دوں گا اس پر رضامند ہو جاؤ گے اور جو نہ مانے گا اس کے مقابلہ میں میری مدد کرو گے میں تم سے عہد کرتا ہوں کہ بلا رو رعایت اور بلا خیال کسی قرابت کے محض امت کی خیر خواہی اور حق پرستی کی بنیاد پر انتخاب کروں گا۔ دونوں طرف سے عہد و پیمان ہو جانے کے بعد سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے عبدالرحمٰن تین دن اور تین رات مدینہ میں صحابہ سے مشورہ کرتے رہے تمام لوگ بالاتفاق حضرت عثمانؓ کے انتخاب کی رائے دیتے تھے۔ صرف چند شخص تھے جو حضرت علی کو چاہتے تھے۔ جس رات کی صبح کو تین دن کی مدت ختم ہونے والی تھی عبدالرحمٰن نے اس

میں پہلے حضرت زبیر کو بلایا اور ان سے کہا کہ امارت بنی عبد مناف کے دونوں بیٹوں (عثمانؓ اور علی) کے حوالہ کر دو۔ انہوں نے کہا کہ علی کے حق میں میں چھوڑتا ہوں پھر سعد بن ابی وقاص کو طلب کیا۔ ان سے کہا کہ تم اپنا حق میرے حوالہ کر دو۔ انھوں نے کہا کہ اگر تم خود خلیفہ ہونا چاہتے ہو تو خوشی سے۔ لیکن اگر عثمان کا انتخاب کرنا چاہتے ہو تو میں علی کو ان کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہوں بہتر تو یہ ہے کہ تم خود بیعت لے لو اور ہم کو ان جھگڑوں سے رہائی مل جائے۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں تو خلافت سے دست بردار ہو چکا ہوں۔ حضرت طلحہ ان دنوں مدینہ میں نہیں تھے اس لئے ان کی رائے لینے کا موقع نہیں مل سکا۔

اس کے بعد حضرت علی کو بلا کر دیر تک ان سے مشورہ کرتے رہے۔ جب وہ چلے گئے تو حضرت عثمانؓ کو بلایا اور ان سے صبح تک باتیں کیں نماز کے بعد مہاجرین انصار اور دیگر اہل رائے کو مسجد میں جمع کیا۔ اور کہا کہ دیار و امصار کے لوگ جو یہاں موجود ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اپنے مقامات کو روانہ ہونے سے قبل ان کو معلوم ہو جائے کہ امت کا امیر کون قرار پایا ہے۔

اس پر مسجد میں چاروں طرف سے لوگوں نے اپنی اپنی رائیں ظاہر کرنی شروع کیں۔ حضرت سعد نے کہا کہ عبدالرحمٰن! معاملہ کو جلد طے کرو کہیں فتنہ نہ واقع ہو جائے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اچھی طرح غور کیا اور جہاں تک میری طاقت میں تھا ہر طبقہ کے لوگوں سے مشورہ لیا میرے فیصلہ سے اب کسی کو انکار کی گنجائش باقی نہیں ہے۔ یہ کہکر حضرت عثمانؓ کو بلایا اور کہا کہ اللہ کو درمیان میں دے کر یہ عہد کرو کہ کتاب سنت اور شیخین کے طریقہ پر چلو گے۔ انھوں نے جب اقرار کر لیا تو ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کے بعد سب لوگ بیعت کرنے لگے۔

حضرت علی اندوہگیں ہو کر مسجد سے باہر نکل آئے۔ لیکن پھر پلٹے اور صفیں چیرتے ہوئے جا کر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کی ابتدا یکم محرم ۲۴ھ مطابق ۷ نومبر ۶۴۴ء سے ہوئی۔

ترجمۂ عثمانؓ حضرت عثمان بنی امیہ سے ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے عثمان بن

عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ان کی والدہ اروی بنت کریز بن ربیعہ بن عبد شمس تھیں۔ آنحضرت صلعم کی ولادت کے پانچ سال بعد ان کی پیدائش ہوئی تھی۔

یہ سابقین اولین میں سے ہیں۔ آغاز بعثت ہی میں حضرت ابوبکر کے سمجھانے سے اسلام لائے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنی بیٹی کے ساتھ کر دیا مشرکین مکہ نے جب اذیت پہنچانی شروع کی تو حضرت عثمانؓ مع رقیہ کے ملک حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔

یہ اسلام میں سب سے پہلے مہاجر ہیں۔ درمیان میں پھر مکہ آئے اور جب مدینہ جانے کی اجازت ملی تو وہاں چلے گئے۔ دونوں ہجرتیں انھوں نے کیں۔

تمام غزوات میں بجز بدر کے آنحضرتؐ کے ساتھ رہے۔ بدر کے موقع پر چونکہ حضرت رقیہ سخت بیمار تھیں اس لیے سرور عالم ان کی تیمارداری کے لئے ان کو چھوڑ گئے تھے چنانچہ فتح بدر کے بعد رقیہ کا انتقال ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے بدر کے مال غنیمت میں سے حضرت عثمانؓ کو بھی حصہ عطا فرمایا اور شرکاء جنگ میں ان کو قرار دیا۔

رقیہ کی وفات کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری بیٹی ام کلثوم کو ان کے نکاح میں دیا اس لئے ذی النورین ان کا لقب ہوا۔

عمرۂ حدیبیہ کے موقع پر یہ قریش کی طرف سفیر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ جب یہ خبر شائع ہوئی کہ کفار نے ان کو قتل کر ڈالا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے جان دینے کی بیعت لی اور خود اپنے داہنے ہاتھ کو حضرت عثمان کا قرار دیکر بائیں ہاتھ پر مارا اور ان کی طرف سے بیعت کی۔

جیش العسرۃ جو تبوک کے لئے تیار کی گئی اس کا سامان انھی کی کوشش مدد اور فیاضی سے ہوا۔ انہوں نے اس میں بے دریغ اپنا مال صرف کیا۔ بیر رومہ جو مدینہ کا ایک مشہور کنواں تھا۔ اور جس کے بارے میں آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ جو اس کو مسلمانوں کے لئے خرید لے وہ جنتی ہوگا۔ اس کو انہوں نے خرید کر وقف کر دیا۔

آنحضرتؐ کے زمانہ میں کاتب وحی اور حضرت عمرؓ اور ابو بکرؓ کے زمانہ میں معتمد اور امین رہے۔ وہ لوگ بڑے بڑے امور میں ان سے مشورہ لیتے تھے۔

خطبۂ خلافت

بیعت ہو جانے کے بعد منبر پر کھڑے ہوئے۔ اس وقت مال و متاعِ دنیوی کی کثرت کی وجہ سے لوگوں کی حالت میں جو تغیر آچکا تھا اس سے باز رکھنے کے لیے عمل صالح اور ثوابِ آخرت کی ترغیب دلائی اور فرمایا کہ دنیائے فریبندہ کے چند روزہ جاہ و جلال پر مائل نہیں ہونا چاہیئے۔ شیطان کے پھندے سے بچو اور اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں گذارو۔

پھر امراء فوج اور والیان صوبہ جات کے نام ایک مراسلہ جاری کیا کہ وہ رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کریں اور جس طریقہ سے خلیفہ سابق کے عہد سے خدمات انجام دیتے چلے آئے ہیں اسی پر قائم رہیں۔ امانت داری اور وفاء عہد کا لحاظ رکھیں۔

پہلا مقدمہ

حضرت عمر کے زخمی ہونے کے بعد ہی یہ خبر شائع ہوئی کہ اکیلا فیروز ہی ان کا قاتل نہیں ہے بلکہ اس میں ایک جماعت شریک ہے کیوں کہ عبدالرحمن بن ابو بکر نے بیان کیا کہ شام کے وقت میں نے دیکھا تھا کہ ہرمزان اور جفینہ اور فیروز تینوں ایک ساتھ بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ کوئی مشورہ کر رہے تھے۔ جب میں اچانک ان کے قریب پہنچ گیا تو وہ گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے کسی کے پاس سے ایک خنجر گرا جس کے دونوں طرف دھار تھی۔

جب فیروز کا خنجر دیکھا گیا تو وہ ٹھیک اسی قسم کا تھا جیسا عبدالرحمن نے بتایا تھا چنانچہ جب اس زخم سے حضرت عمر انتقال کر گئے تو عبید اللہ بن عمر نے غصہ میں جا کر ہرمزان کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد جفینہ کی طرف چلے۔ یہ حیرہ کا رہنے والا ایک عیسائی غلام تھا جسکو سعد بن ابی وقاص مدینہ میں لائے تھے کہ بچوں کو کتابت سکھلائے۔

حضرت صہیب کو جو اس وقت عارضی طور پر خلافت کا کام کرتے تھے جب عبید اللہ کے

اس فعل کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے ان کو گرفتار کرکے تلوار ان کے ہاتھ سے چھین لی اور اس وقت تک کے لئے قید کردیا جب تک کہ کوئی خلیفہ منتخب نہ ہو۔

بیعت خلافت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے سب سے پہلے یہی معاملہ پیش ہوا انھوں نے مہاجرین اور انصار سے پوچھا کہ اس میں کیا کرنا چاہیئے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ قصاص لینا چاہیئے لیکن دوسرے مہاجرین نے کہا کہ کل عمر کا انتقال ہوا اور آج ان کا بیٹا قتل کیا جائے! عمرو بن عاص نے کہا کہ اے امیر المومنین! اس معاملہ سے آپ کو کیا سروکار۔ یہ واقعہ آپ کی خلافت سے قبل کا ہے۔ حضرت عثمان نے آخر میں خود ہرمزان کے خون کی دیت اپنے ذمہ لے کر اس معاملہ کو طے کردیا۔ لوگ بالعموم اس فیصلہ سے خوش ہوئے۔

فتوحات

کوفہ میں چالیس ہزار فوج رہتی تھی اور آذربے جان کی حفاظت اسی کے ذمہ تھی چھ ہزار سپاہی آذربے جان اور چار ہزار رے کی حدود پر متعین رہتے تھے جو یہاں سے باری باری بھیجے جاتے تھے۔

ولید بن عقبہ عامل کوفہ کے زمانہ میں اہل آذربے جان نے بغاوت کی۔ وہاں فوج کشی کی گئی۔ آخر کار وہ پھر اپنی شرائط کو پورا کرنے پر رضامند ہو گئے۔

آرمینیہ میں بھی وہاں کے باشندوں نے سازش کرکے سرکشی کی۔ سلمان بن ربیعہ باہلی فوج کے ساتھ اس طرف بھیجے گئے۔ انھوں نے فتنہ کو دبا دیا۔

سعید بن عاص ایک جرار لشکر لے کر طبرستان میں گئے۔ اس میں امام حسن حسین۔ عبادلہ اربعہ یعنی عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن زبیر۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص اور عبداللہ بن عباس نیز حضرت حذیفہ بن یمان وغیرہ رضی اللہ عنہم بھی شریک تھے متعدد سخت معرکے ہوئے اہل طبرستان نے ہزیمت اٹھا کر مصالحت کی۔

۳۲ھ میں عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی نے بحر خزر کے سواحل پر فوج کشی کی اور فتح کرتے

ہوئے مقام دربند تک پہنچ گئے۔ وہاں غنیم نے بہت بڑی جمعیت فراہم کرکے مقابلہ کیا عبدالرحمن شہید ہوگئے۔ اور اسلامی فوج نے شکست کھائی۔ پھر عبدالرحمن کے بھائی سلمان بن ربیعہ اس سرحد پر متعین ہوئے۔ انھوں نے دشمنوں کو روکا۔

فارس ۔ خراسان اور حدود سندھ تک کا فوجی مرکز بصرہ تھا۔ عبداللہ بن عامر والی بصرہ کے عہد میں اہل فارس نے وہاں کے امیر عبیداللہ بن معمر کو قتل کرڈالا اور بغاوت کردی ابن عامر خود فوج لے کر اس طرف بڑھے اور ان کی سخت گوشمالی کی۔ انھیں کی امارت میں ایران کا آخری بادشاہ یزدگرد مارا گیا۔ اس کی موت سے ساسانی خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔

سنہ ۳۱ھ میں خراسان میں بغاوت ہوئی۔ ابن عامر نے فوج کشی کی قہستان والوں نے امان مانگ لی۔ پھر وہ نیشاپور کی طرف بڑھے۔ ان لوگوں نے بھی صلح کی۔ وہاں سے احنف بن قیس کو طخارستان کی طرف روانہ کیا انھوں نے مرورود تک فتح کیا اس کے بعد بلخ پر قابض ہوئے۔ پھر خوارزم کی طرف بڑھے مگر وہاں سے محاصرہ اٹھا کر واپس چلے آئے۔

ابن عامر نے ایک دوسرے سردار عبدالرحمن بن سمرہ کو سیستان کی طرف بھیجا۔ انھوں نے کابل اور زابلستان کو فتح کیا۔ ابن عامر ان فتوحات کا شکریہ ادا کرنے کے لئے بیت اللہ کو روانہ ہوئے۔

شام میں حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہ کو پورے صوبہ کا والی کردیا۔ انھوں نے رومیوں پر فتوحات حاصل کیں راستہ میں ان کے جس قدر قلعے ملے ان میں اپنی فوجیں رکھ دیں دربار خلافت کے حکم سے حبیب بن مسلمہ کو آرمینیہ کی طرف فوج دے کر روانہ کیا جنھوں نے تفلیس تک فتح کیا۔

امیر معاویہ کا چونکہ زیادہ تر مقابلہ رومیوں کے ساتھ رہتا تھا جن کے پاس جنگی کشتیاں تھیں۔ اس لئے وہ اس بات کی ضرورت محسوس کرتے تھے کہ ہم بھی اپنی بحری طاقت تیار کریں تاکہ سمندر میں ان کا مقابلہ کرسکیں اور ان کو اپنے سواحل پر فوجیں نہ اتارنے دیں لیکن حضرت عمر بحری جنگ کو مسلمانوں کیلئے ایک قسم کی تعزیر سمجھتے تھے اس لئے ان کی درخواست

نہیں منظور کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ان کو کشتیوں کے بنانے کی اجازت ملی۔ لیکن اس شرط پر کہ مسلمان جبراً یا قرعہ اندازی کر کے بحری فوج میں نہ لئے جائیں۔ صرف وہی لوگ بھرتی کئے جائیں جو خوشی سے اس میں آنا چاہیں۔

امیر معاویہ نے جنگی کشتیاں تیار کرائیں اور ۲۸ھ میں پہلا بحری حملہ جزیرہ قبرص پر کیا۔ اس میں حضرت عبادہ بن صامت وغیرہ بہت سے صحابۂ رسول بھی مدینہ سے آکر شامل ہوئے۔ عبداللہ بن سعد سپہ سالار مصر بھی مدد کے لئے خود ساتھ گئے۔ اہل قبرص نے صلح کی۔ شرائط یہ تھے کہ وہ ہر سال سات ہزار دینار مسلمانوں کو ادا کرتے رہیں گے اور اسی قدر رقم جو وہ رومیوں کو سالانہ دیتے ہیں مسلمان اس میں مزاحمت نہ کریں گے۔ اگر کوئی یہاں حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر مدافعت لازم نہ ہوگی۔ رومی جس وقت اسلامی ملک پر حملہ کا سامان کریں گے تو اہلِ قبرص مسلمانوں کو اطلاع دیں گے۔ اور اسلامی فوج اگر یہاں سے گزرنا چاہے گی تو اس کو گزرنے کا حق ہوگا۔

امیر معاویہ نے فوج کے دو حصے کئے تھے شاتیہ اور صائفہ یعنی سرمائی و گرمائی۔ ایک حصہ جاڑے کے موسم میں جنگ میں مصروف رہتا تھا۔ دوسرا گرمی میں عبداللہ بن قیس حارثی امیر البحر تھے۔ انھوں نے رومیوں کے ساتھ متعدد لڑائیاں کیں لیکن کبھی ان کے بیڑہ کا کوئی آدمی غرق نہیں ہوا۔

مصر میں اسکندریہ کے رومیوں کے ساتھ بعض قبطی سردار مل گئے۔ انھوں نے ہرقل سے خط و کتابت کر کے امداد طلب کی۔ اس نے ایک عظیم الشان بیڑہ روانہ کیا اور اسکندریہ میں فوجیں اُتار دیں۔ عمرو بن عاص والی مصر کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے پہنچ کر رومیوں کو سخت شکست دی اور اسکندریہ پر قبضہ کر کے اس کی فصیل کو توڑ دیا۔

۲۵ھ میں عبداللہ بن سعد افریقہ کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے کہہ دیا تھا کہ اگر تم نے وہاں رومیوں کو مغلوب کر لیا تو خمس غنیمت کا پانچواں حصہ تم کو

انعام دیا جائے گا۔ انھوں نے خلیفہ سے امداد طلب کی بمشورہ صحابہ ۲۶ھ میں امداد روانہ کی گئی جس میں عبادلہ اربعہ اور امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہم بھی تھے جب برقہ سے آگے بڑھے تو قیصر کی طرف سے شہر یعقوبہ کا والی جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر مقابلہ میں آیا اور لڑائی ہونے لگی۔ عبداللہ بن زبیر نے ابن سعد کو میدان میں نہ دیکھا پوچھا کہ کہاں ہیں لوگوں نے کہا کہ جرجیر نے اعلان کرایا ہے کہ جو شخص ابن سعد کا سر کاٹ لائے گا اس کو ایک لاکھ دینار دوں گا اور اسی کے ساتھ اپنی بیٹی بیاہ دوں گا اس وجہ سے وہ فوج کے پیچھے ہیں۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ ہماری طرف سے اعلان کرا دو کہ جو شخص جرجیر کو قتل کرے گا ہم اس کو ایک لاکھ دینار دیں گے اور اس کی بیٹی سے اس کی شادی کر دیں گے۔ نیز یہ کہ اس کے بجائے اس کو یعقوبہ کا والی بنا دیں گے۔

چند روز تک لڑائی ہوتی رہی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے جی توڑ کر حملہ کیا اور غالب آگئے جرجیر کو عبداللہ بن زبیر نے قتل کیا۔ اس کی بیٹی انھیں کو ملی اس فتح میں بہت مال غنیمت ہاتھ آیا۔ عبداللہ بن سعد کو خمس غنیمت کا پانچواں حصہ جو دیا گیا تھا وہ ایک لاکھ دینار تھا۔

پھر وہاں سے فوجوں کے دستے مختلف اطراف میں بھیجے گئے۔

ابن سعد کے عہد میں قیصر نے چھ سو کشتیوں کا ایک بیڑہ لیکر مصر پہ حملہ کیا۔ شام سے امیر معاویہ اپنی بحری فوج لے کر ابن سعد کی امداد کو پہنچ گئے۔ جب رومیوں سے سمندر میں مقابلہ ہوا تو اسلامی فوج نے اپنی کشتیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیا اور سطح بحر پر میدان کی طرح جنگ کی۔ رومیوں نے سخت شکست کھائی۔ ان کی بہت سی کشتیاں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ اس طرح پر اسلامی بیڑہ کی طاقت بڑھ گئی اور رومیوں کے بحری حملوں اور تاخت و تاراج سے شام اور افریقہ کے سواحل محفوظ ہو گئے۔

فتنۂ داخلیہ

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں اعیان قریش کو مدینہ میں روک رکھا تھا۔ ان کو کہیں دوسری جگہ نہیں جانے دیتے تھے۔ کبھی ان میں سے اگر کسی کو کوئی ضرورت پیش آ جاتی تو ایک مدت معینہ کی اجازت لے کر جاتا اور پھر واپس آ جاتا اگر کوئی کسی جنگ میں بھی شریک ہونا چاہتا تو اس کو اجازت نہ دیتے اور فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جن جہادوں میں تم شریک ہو چکے ہو ان کا ثواب تمہارے لئے کافی ہے۔

ہر چند کہ لوگ اس کو اپنے حق میں ایک سختی سمجھتے تھے اور حضرت عمر کو تنگ کرتے تھے لیکن وہ ان کو مدینہ سے نکلنے نہیں دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ سب سے زیادہ اس امت کے لئے جس بات سے میں ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم لوگ جب یہاں سے باہر نکلو گے اور شہروں میں متفرق ہو جاؤ گے تو تمہاری رایوں میں اتفاق نہیں رہے گا اور پھر تمہارے اختلاف سے ساری امت میں تفرقہ پڑ جائے گا۔

حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں اس رکاوٹ کو اٹھا دیا اور رؤساء قریش جابجا دیار و امصار میں پھیل گئے۔

قریش کی خلافت کی وجہ سے یہ لوگ بمنزلہ شاہی خاندان کے ارکان کے سمجھے جاتے تھے۔ اس وجہ سے جہاں جہاں گئے ان کی عزت اور حرمت ہوئی اور ایک سال کا زمانہ بھی نہ گذرنے پایا کہ مختلف شہروں میں ان کی بڑی بڑی ملکیتیں اور جائدادیں ہو گئیں لوگ ان کے پاس جمع ہونے لگے۔ اور چونکہ استحقاق خلافت کے شرائط ان میں مجتمع تھے اس لئے ان کے مصاحبین توقع رکھنے لگے کہ ممکن ہے کہ ایک دن یہ خلیفہ ہو جائیں۔ یہ تمنائیں دلوں سے زبانوں تک آنے لگیں اور ان کی وجہ سے خیالات اور آرائیں اختلاف پیدا ہونا شروع ہو گیا۔

اس موقع پر حضرت عمرؓ کی دور اندیشی کی تعریف کرنی پڑتی ہے کہ انھوں نے انھیں

نتائج کو پیش نظر رکھ کر ان رؤساء کو اپنے پاس روک رکھا تھا اور کہیں جانے نہیں دیتے تھے۔ تاکہ ان میں باہمی اختلاف کے اسباب پیدا ہو سکیں چنانچہ ان کے آخر عہد تک وہ لوگ متفق اور متحد اور شقاق و افتراق سے نا آشنا تھے۔ اور جب رؤساء باہم متفق رہیں تو امت میں اختلاف ہو نہیں سکتا۔

عہد عثمان میں اعیان قریش کے متفرق ہو جانے سے ان میں وہ اتحاد جو پہلے تھا باقی نہ رہ سکا۔ علاوہ بریں خلیفہ کی نرم مزاجی کی وجہ سے شورش انگیز لوگوں نے غوغائے عام شروع کر دیا۔ چونکہ اس شورش میں کوفہ۔ بصرہ اور مصر تینوں مقامات کے لوگ شریک تھے اس وجہ سے ہر ایک جگہ کی مختصر کیفیت لکھنی ضروری ہے۔

کوفہ

حضرت عثمان نے کوفہ کا امیر سعد بن ابی وقاص کو مقرر کیا۔ خراج کی تحصیل پر حضرت عبداللہ بن مسعود مشہور صحابی تھے۔ حضرت سعد نے ان سے کوئی رقم ایک مدت معینہ کے لئے قرض لی۔ جب وہ مدت گذر گئی تو عبداللہ بن مسعود نے تقاضہ کیا۔ سعد بروقت نہ ادا کر سکے۔ دونوں میں باہم کچھ گرم گفتگو ہوئی۔ بعض لوگ سعد کے طرفدار ہو گئے اور بعض ابن مسعود کے۔ رد و قدح کے بعد ابن مسعود واپس آئے لیکن دونوں کے دل ایک دوسرے کی طرف سے مکدر ہو گئے۔

حضرت عثمان کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے دونوں پر عتاب فرمایا اور سعد کو معزول کر کے ان کے بجائے ولید بن عقبہ کو بھیجا۔

ولید کا برتاؤ اچھا تھا اور لوگ ان کا احترام کرتے تھے۔ ایک دن یہ واقعہ ہوا کہ چند اوباش کسی شخص کے گھر میں نقب لگا کر گھسے اور اس کو مار ڈالا وہاں ایک ہنگامہ ہوا سرکاری سپاہی موقع پر پہنچ گئے انھوں نے مجرموں کو پکڑ لیا۔ وہ قصاص میں قتل کیے گئے۔ اب ان کے رشتہ داروں نے موقع ڈھونڈنا شروع کیا کہ کسی طرح ولید کی شکایت خلیفہ کے سامنے کریں۔

ولید کی محفل میں رات کے وقت جو لوگ جمع ہوتے تھے ان میں ابوزبید طائی بھی

تھا جو پہلے عیسائی تھا پھر مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کے بارے میں یہ شہرت تھی کہ شراب خوار ہے ولید کے ان دشمنوں نے یہ خبر اڑائی کہ وہ بھی ابوزبید کے ساتھ بیٹھ کر شراب پیتے ہیں۔ ابن مسعود سے بھی جا کر کہا۔ انھوں نے جواب دیا کہ جو شخص ہم سے چھپا کر کوئی کام کرے ہم کو اس کے تجسس کی کیا غرض ہے۔ ولید نے جب یہ سنا تو ابن مسعود سے کہا کہ ان فتنہ پردازوں کو اس قسم کا جواب نہیں دینا چاہیئے تھا جیسا آپ نے دیا۔ میں کون سا کام چھپا کر کرتا ہوں اس جواب سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بھی ان کی باتوں کی وجہ سے شک پیدا ہو گیا۔ اس پر ولید اور ابن مسعود میں سخت کلامی ہوئی اور دونوں میں رنجش پیدا ہو گئی۔

ان مخالفین نے خلیفہ کے پاس جا کر ولید پر شراب خواری کا الزام لگایا اور دو شخصوں کو جن کو ولید نے ان کی بدلیاقتی کی وجہ سے ملازمت سے معزول کر دیا تھا۔ شہادت میں پیش کیا۔ انھوں نے بیان کیا کہ ہم ولید کی محفل میں شریک تھے ہم نے دیکھا کہ اس نے قے کی اور اس میں شراب نکلی۔ ولید کوفہ سے بلائے گئے۔ ان پر حد جاری کی گئی۔ اور ان کے بجائے سعید بن عاص کوفہ کے امیر مقرر ہوئے۔

سعید نے کوفہ کی حالت نہایت خراب دیکھی۔ دربار خلافت میں لکھ بھیجا کہ یہاں کی مخلوق شورش پسند ہے۔

ایک دن کا واقعہ یہ ہے کہ سعید کی محفل میں کسی نے حضرت طلحہ کی فیاضی کا ذکر کیا۔ انھوں نے کہا کہ جس کے پاس نشاستیج جیسی زرخیز ملکیت ہو اس کو فیاض ہونا ہی چاہیئے اگر میرے پاس بھی ایسا کوئی قطعہ زمین کا ہوتا تو میں تم کو خوش کر دیتا۔ اس پر ایک نوجوان نے کہا کہ سواحل فرات کا علاقہ جو آل کسریٰ کی جاگیر میں تھا اس کو آپ لے لیجئے یہ سن کر کوفہ کے چند آدمی بول اٹھے کہ اللہ تجھے غارت کرے ہماری زمین تو امیر کو دینا چاہتا ہے۔ مالک اشتر نخعی اور عمیر بن ضابی تو اس قدر برہم ہو گئے کہ اٹھ کر اس نوجوان کو پیٹ دیا یہ دیکھ کر اس کے قبیلہ کے لوگ بھی طرفداری کے لئے کھڑے ہو گئے اگر خود سعید نے بیچ میں پڑ کر اس جھگڑے کو نہ روک دیا ہوتا تو سخت بلوہ ہو جاتا۔

اس کے بعد سے سعید نے ان لوگوں کو اپنی محفل میں آنے سے روک دیا۔ اب ان کا کام بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ سعید کو بدنام کر کے لوگوں کو ان کی طرف سے بھڑکائیں۔ روز ایک ایک قسم کا فتنہ برپا کرنے کی کوشش کرتے تھے یہاں تک کہ خود شرفاء کوفہ نے خلیفہ کے پاس درخواست بھیجی کہ یہ فتنہ پرداز یہاں سے نکال دئے جائیں۔ وہاں سے حکم آیا کہ ان کو شام میں بھیج دو تاکہ امیر معاویہ کی نگرانی میں رہیں۔ چنانچہ ان شورش انگیزوں کے سرغنے مالک بن حارث اشتر نخعی ثابت بن قیس نخعی کمیل بن زیاد نخعی۔ زید بن صوحان عبدی جندب بن زہیر غامدی جندب بن کعب ازدی عروہ بن جعد عمرو بن الحمق الخزاعی امیر معاویہ کے پاس بھیجے گئے۔ وہاں تھوڑے دنوں تک رہے انھوں نے ان کو سمجھایا بھی اور دھمکایا بھی لیکن ان کے سروں میں شورش کا سودا ابھرا تھا۔ راہ راست پر نہ آئے۔ امیر معاویہ نے خلیفہ کو لکھا کہ مجھ سے ان کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ خلیفہ نے لکھا کہ حمص میں عبدالرحمٰن بن خالد کے پاس بھیجدو۔ عبدالرحمٰن نے ان لوگوں کی سخت گوشمالی کی آخر انہوں نے توبہ اور ندامت کا اظہار کیا۔ اس لئے خلیفہ نے ان کو کوفہ واپس جانے کی اجازت دے دی کوفہ میں جب آئے تو پھر وہی فتنہ انگیزی شروع کی۔ اور حضرت عثمان اور ان کے عمال کی برائیاں کرنے لگے یہاں تک کہ فتنہ بہت بڑھ گیا۔ سعید بن عاص خود مدینہ گئے تاکہ خلیفہ کو یہاں کی حالت سے مطلع کریں جب واپس آنے لگے تو یہ لوگ متفق ہو کر ایک جماعت کثیر اپنے ساتھ لئے ہوئے کوفہ سے نکلے کہ اب ہم سعید کو یہاں نہیں آنے دیں گے۔ حضرت عثمانؓ نے رفع شر کے خیال سے سعید کو بلا لیا اور ابوموسیٰ اشعری کو وہاں کا والی بنا کر بھیج دیا لیکن وہ بھی ان کی فتنہ پردازی کا انسداد نہیں کر سکے۔ بلکہ دن بدن ان کی طاقت اور جماعت بڑھتی جاتی تھی اور حکومت کا نفوذ اور اثر کم ہوتا جاتا تھا۔

بصرہ

یہاں کے والی عبداللہ بن عامر تھے جنھوں نے ایران کی فتوحات میں بڑے بڑے کام انجام دئے تھے۔ ان کے عہد میں بصرہ میں ایک شخص حکیم بن جبلہ تھا جو غارت گری کیا کرتا تھا

اور بھیس بدل کر ذمیوں کے مال لوٹتا تھا جب کسی لڑائی میں بھیجا جاتا تو چھپ کر نکل جاتا اور ادھر اُدھر چوریاں کرتا پھرتا حضرت عثمانؓ کے پاس اس کی شکائتیں پہنچیں۔ انھوں نے والی بصرہ کو لکھا کہ حکیم کو مع اس کے ساتھیوں کے بصرہ میں نظر بند رکھو اور کسی وقت ان کو شہر کے باہر نہ نکلنے دو۔

عبداللہ بن سبا

یہ صنعاء کا ایک یہودی تھا جو اسلام ظاہر کر کے مسلمانوں میں شامل ہو گیا تھا اس کی کنیت ابن سوداء ہے۔ سب سے پہلے اس کا ظہور بصرہ میں ہوا۔ یہ حکیم بن جبلہ مذکور کے پاس ٹھہرا۔ اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے مخفی طور پر اپنی تعلیمات کو ان میں پھیلانے لگا۔ چونکہ وہ جانتا تھا کہ اہلِ اسلام اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دل سے محبت اور تعظیم کرتے ہیں اس لئے اسی راستہ سے ان کے دلوں میں اپنے خیالات کا اثر ڈالنا شروع کیا۔ کبھی کہتا کہ مجھے مسلمانوں پر تعجب آتا ہے کہ وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں نزول فرمائیں گے اور اس کے قائل نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائیں گے۔ کبھی کہتا کہ اے مسلمانو! یہ کس قدر حیرت ناک امر ہے کہ تمہارے درمیان محمد صلعم کی آل موجود ہے اُس کو تم خلیفہ نہیں بناتے۔

الغرض اسی قسم کے خیالات پھیلاتا تھا اور چونکہ ان میں نبی صلعم اور ان کی آل کی محبت اور خیر خواہی کا اظہار ہوتا تھا اس لئے عوام اس کو عقیدتمندی کے ساتھ سنتے تھے۔

عبداللہ بن عامر کو جب ان باتوں کی اطلاع ہوئی تو اس کو بلوایا اور پوچھا کہ تم کون ہو اس نے کہا کہ میں اہل کتاب میں سے ہوں دین اسلام کا ذوق رکھتا ہوں اس لئے یہاں آیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ کے سایۂ حمایت میں رہوں۔ انھوں نے کہا کہ تمہاری جو باتیں مجھے معلوم ہوئی ہیں۔ ان سے میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے آئے ہو۔ میں تمہارا یہاں رہنا پسند نہیں کرتا وہ بصرہ سے کوفہ چلا گیا۔ وہاں بھی اس نے اہل فتنہ سے مل کر ان میں

اپنے خیالات پھیلائے مگر تھوڑے ہی عرصہ میں نکالا گیا اور مصر پہنچا۔

مصر

عبداللہ بن سبا نے یہاں آکر مخفی جماعت بنائی اور ان میں اپنے وہی خیالات پھیلانے لگا لیکن اب ان پر کچھ اور اضافہ کیا یعنی یہ کہ دنیا میں ایک ہزار نبی گذرے ہیں ہر نبی کا ایک وصی بھی ہوا کرتا ہے۔ حضرت علی نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ اور جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا تھے اسی طرح حضرت علی خاتم الاوصیاء ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے نبی کی وصیت نہیں پوری کی ان سے بڑھکر ظالم کون ہو سکتا ہے۔ حضرت عثمانؓ خلافت کے مستحق نہیں ہیں جب کہ وصی رسول موجود ہے تو اس کے سوا کسی کو خلیفہ ہونے کا کیا حق ہے۔ تم لوگ اٹھو اس تحریک کو پھیلاؤ۔ اور ان ظالم امرا کو جو تمہارے اوپر طرح طرح کے ظلم وستم کرتے ہیں نکال دو۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمہارا فرض ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس خیال پر جو لوگ پختہ ہو جاتے ان کو جابجا شہروں میں بھیج دیتا تاکہ مخفی طور پر اس کی اشاعت کریں۔ چنانچہ مختلف مقامات پر اس کی ہم خیال ایک ایک جماعت تیار ہوگئی یہ لوگ اپنے شہر سے دوسرے شہروں میں خطوط بھیجتے جن میں عمال حکومت کے ظلم وستم کی مصنوعی شکایتیں لکھتے۔ ان خطوط کے مضامین لوگوں کو سنا کر خلیفہ اور امراء وقت کے خلاف ان کے جذبات بھڑکائے جاتے تھے۔

جب یہ خطوط پہنچتے تو اہل عراق مصریوں پر اور اہل مصر عراقیوں پر ترس کھاتے اور شکر کرتے کہ ہم اس مصیبت سے محفوظ ہیں۔ مدینہ والے جہاں ہر طرف سے اس قسم کے خطوط جاتے تھے سب کی حالت پر افسوس کرتے اور کہتے کہ الحمدللہ ہم عافیت میں ہیں۔

صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ سے اس کا تذکرہ کیا کہ ہمارے پاس اس قسم کے خطوط آتے ہیں آپ کو بھی ان امور کی کچھ اطلاع ہے یا نہیں۔ انھوں نے انکار کیا اور کہا کہ میرے پاس تو ہر جگہ سے یہی خبر آتی ہے کہ عافیت اور امن ہے۔

لوگوں کے مشورہ سے حالات دریافت کرنے کے لئے جابجا معتبر صحابہ کو روانہ کیا محمد بن مسلمہ

کوکوفہ۔ اسامہ بن زید کو بصرہ۔ عبداللہ بن عمر کو ملک شام اور عمار بن یاسر کو مصر۔ ان کے علاوہ اور بھی اپنے خاص خاص آدمیوں کو اطراف ملک میں روانہ کیا کہ جو اصلیت ہو بے کم وکاست اس کی اطلاع دیں۔ یہ سب فرستادے بجز حضرت عمار بن یاسر کے واپس آئے اور کہا کہ ہم نے کوئی نئی بات نہیں دیکھی۔ تمام حالات سابق بدستور ہیں۔

عمار بن یاسر کے متعلق عبداللہ بن سعد والی مصر نے لکھا کہ وہ یہاں آکر ایک جماعت میں شامل ہو گئے ہیں۔ جن کے سرگروہ عبداللہ بن سبا۔ خالد بن ملجم سودان بن حمران اور کنانہ بن بشر ہیں۔

مصر میں دو شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سخت مخالف تھے۔ ایک محمد بن ابی حذیفہ دوسرے محمد بن ابی بکر۔ محمد بن ابی حذیفہ یتیم تھے بچپن سے ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے آغوش شفقت میں پرورش کیا تھا جب بڑے ہوئے تو انھوں نے خواہش کی کہ میں کہیں کا عامل مقرر کیا جاؤں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو اس قابل نہ سمجھا اس لئے انکار کر دیا۔ وہ مصر میں چلے آئے اور ان کے دشمن ہو گئے۔

محمد بن ابی بکر کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ ان کے اوپر کسی کا حق آتا تھا۔ حضرت عثمان نے اس کو ان سے دلا دیا تھا۔ ادھر مصر میں سبائی جماعت نے ان کو سبز باغ دکھایا جس کی وجہ سے باوجود اس عظیم الشان رتبہ کے جو اسلام میں ان کو حاصل تھا اس فتنہ پرداز جماعت کے ساتھ شامل ہو گئے۔

عمار بن یاسر کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ ایک بار ان میں اور عباس بن عتبہ بن ابی لہب میں سخت کلامی ہو گئی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دونوں کو سزا دی تھی۔ سبائی جماعت نے اس کینہ کا جوش دلا کر ان کو اپنے ساتھ ملا لیا۔

شام

ملک شام میں حضرت امیر معاویہ کے حزم و تدبیر کی وجہ سے شورش نہ پھیل سکی لیکن

عبداللہ بن سبا کی فتنہ پردازی سے وہاں بھی ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جس سے اس جماعت نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بھڑکانے کا کام لیا۔ وہ یہ کہ جس وقت وہ شام میں گیا وہاں حضرت ابوذر مشہور صحابی قیام پذیر تھے ان سے کہا کہ معاویہ کی چال تو دیکھئے کہ بیت المال کے خزانہ کو جو مسلمانوں کا ہے اللہ کا مال کہتے ہیں اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ اسے مسلمانوں کو نہ دیں بلکہ خود اپنے قبضہ میں رکھیں یہ سن کر حضرت ابوذر امیر معاویہ کے پاس گئے اور کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کے مال کو تم اللہ کا مال کہتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمام مخلوق اللہ کی ہے۔ سارا مال اللہ کا ہے۔ ابوذر نے کہا کہ اس طرح نہیں کہنا چاہیئے۔ وہ مسلمانوں کا مال ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کا مال نہیں ہے لیکن آپ کی ہدایت کے مطابق آئندہ سے مسلمانوں کا مال کہا کروں گا۔

اس کے بعد عبداللہ بن سبا حضرت ابو درداء سے ملا۔ انھوں نے جب اس کی باتیں سنیں تو فرمایا کہ میرا گمان یہ ہے کہ تو یہودی ہے ان کے پاس سے اٹھ کر وہ حضرت عبادہ بن صامت کی خدمت میں گیا۔ وہ اس کے خیالات کو سن کر بہت برہم ہوئے۔ اسکو پکڑ کر امیر معاویہ کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہی وہ شخص ہے جس نے ابوذر کو تم سے لڑا دیا تھا۔

حضرت ابوذر نے ملک شام میں فقراء کو اغنیاء کے خلاف ابھارا۔ اور کہا کہ دولت میں سب لوگ شریک ہیں۔ فقراء نے چاہا کہ ہم اغنیاء کو لوٹ لیں۔ امیر معاویہ نے خلیفہ کو لکھا کہ ابوذر کی وجہ سے یہاں مسلمانوں میں تفرقہ کا خوف ہے۔ حضرت عثمانؓ نے ابوذر کو مدینہ میں طلب کیا اور کہا کہ اہل شام تمہارے شاکی ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ دولتمندوں کو یہ حق کہاں سے حاصل ہے کہ مال جمع کر کے رکھیں اور تنگدست فاقہ کریں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اللہ اور رسول کا جو حق رعایا پر ہے اس کو میں ان سے لوں گا۔ اور جو حق ان کا میرے اوپر ہے اس کو ادا کروں گا۔ زہد اور ترک دنیا پر میں کسی کو مجبور نہیں کر سکتا۔

خلیفہ نے دیکھا کہ اشتراکیت کا مضر خیال ان کے دل میں بیٹھ گیا ہے اس لئے ان کی

سکونت آبادی میں مناسب نہیں۔ لہٰذا ان کی تنخواہ مقرر کردی اور حکم دیا کہ مقام ربذہ میں جو بیابان میں واقع ہے جاکر رہیں وہ وہیں چلے گئے اور ۳۲ھ میں اسی مقام میں وفات پاگئے۔

سبائی فرقہ کے جو خطوط مدینہ پہنچے تھے ان کے اثر سے وہاں کے لوگوں کے دلوں میں بھی حضرت عثمانؓ اور ان کے امراء کے خلاف ایک غصہ پیدا ہوگیا تھا۔ محفلوں میں اسی بات کے تذکرے ہوتے تھے۔ بعض لوگ خلیفہ کے ساتھ سخت کلامی سے بھی پیش آتے تھے مگر انھوں نے صبر و حلم سے کام لیا۔

جب زیادہ چرچا پھیلا تو حضرت عثمانؓ نے دیار و امصار کے امراء کو حکم بھیجا کہ حج کے موقع پر سب آکر مجھ سے ملیں۔ جب وہاں اجتماع ہوا تو ان سے پوچھا کہ ملک میں یہ کیسا فتنہ برپا ہے اور یہ کون لوگ ہیں جو اس قسم کی شورش پھیلا رہے ہیں ان لوگوں نے کہا کہ ہم بھی اسی قسم کی افواہ سنتے رہتے ہیں لیکن ان کی بنیاد پر کسی کی گرفت نہیں کرسکتے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ یہ عجیب فتنہ ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا تم لوگ مشورہ دو کہ اس کا انسداد کس طرح کیا جائے۔

سعید بن عاص نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خبریں مخفی طور پر گھڑی جاتی ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجکر ناواقفوں میں مشہور کی جاتی ہیں تاکہ خلیفہ اور امراء وقت سے لوگ بدظن ہوکر مخالف ہوجائیں میری رائے یہ ہے کہ جو لوگ اس کی تہ میں ہوں گرفتار کرکے قتل کردئے جائیں عبداللہ بن سعد نے بھی اسی کی تائید کی۔ امیر معاویہ نے کہا کہ میرے صوبہ میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے۔ میرے نزدیک ان امراء کی رائے زیادہ صائب ہے جن کے علاقوں میں یہ فتنہ انگیز جماعت ہے مفسدوں کی گوشمالی بہرصورت لازم ہے۔ عمرو بن عاص نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی طرف سے نرمی ہورہی ہے اشخاص کی آزادی کو اسی حد تک قائم رکھنا چاہیئے جہاں تک کہ امت میں فساد پڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔ جو لوگ مسلمانوں کی خیرخواہی نہیں کرتے اور ان میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں ان سے کیوں چشم پوشی کی جائے حضرت عمرؓ کا یہ دستور نہیں تھا۔ آپ کو بھی انہیں کا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔

خلیفہ نے کہا کہ میں نے تمہارے مشورے سُن لئے۔ مجھے خوف ہے کہ یہ وہی فتنہ نہ ہو جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی بے شک حدود شرعیہ میں مَیں کسی قسم کی کوتاہی جائز نہیں سمجھتا۔ لیکن جن امور میں شریعت مجھے کسی کے اوپر سختی کرنے کی ہدایت نہیں کرتی ان میں نرمی سے کام لوں گا۔ اور اگر اس میں میری جان بھی چلی جائے تو اس کا جانا اپنے لئے مبارک سمجھوں گا۔ لوگوں کے حقوق کو میں کسی طرح ہضم نہیں کر سکتا۔ اور جانتا ہوں کہ جو امر تقدیری ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا۔

اس کے بعد امراء کو رخصت کیا اور ان کو کسی قسم کی کارروائی کرنے کا حکم نہیں دیا روانگی کے وقت امیر معاویہ نے کہا کہ آپ میرے ساتھ ملک شام میں چلے چلیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ فتنہ کوئی بُرا نتیجہ پیدا کرے فرمایا کہ میں آنحضرتؐ کے قرب کو کسی قیمت پر فروخت نہیں کر سکتا۔ پھر انہوں نے کہا کہ میں شام سے ایک فوج بھیج دوں کہ مدینہ میں رہے اور آپ کی حفاظت کرے جواب دیا کہ اس سے اہل مدینہ کو تکلیف ہو گی۔

سبائی جماعت نے یہ طے کیا تھا کہ جس وقت امراء اپنے اپنے مقامات کو چھوڑ کر حج کیلئے روانہ ہوں اس وقت ہم لوگ اُٹھ کھڑے ہوں لیکن اس میں رکاوٹیں پڑ گئیں اس وجہ سے انھوں نے جابجا سے باہمی خط و کتابت کر کے یہ طے کیا کہ ہر ہر مقام سے کچھ کچھ لوگ نکل کر مدینہ چلیں اور یہ ظاہر کریں کہ ہم خلیفہ سے امور سلطنت کے متعلق چند باتیں دریافت کرنے کیلئے جاتے ہیں تاکہ لوگوں میں یہ شہرت ہو جائے کہ مسلمانوں کی ایک حق جو اور خیر خواہ جماعت خلیفہ کی غلطیوں کا اس سے مواخذہ کرنے جارہی ہے۔ اس قرارداد کے مطابق بصرہ۔ کوفہ اور مصر تینوں مقامات سے ان کا ایک ایک وفد روانہ ہوا۔ اور مدینہ کے متصل پہنچکر سب مل گئے اور شہر کے باہر ٹھہر گئے۔

حضرت عثمانؓ کو جب اطلاع ہوئی تو انھوں نے دو آدمیوں کو بھیجا کہ معلوم کریں کہ کس غرض سے یہ وفود آئے ہیں۔ انھوں نے واپس آکر اطلاع دی کہ ان کے آنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی غلطیاں ظاہر کر کے اصرار کریں کہ خلافت سے دست کش ہو جائیں

ورنہ آپ کو قتل کر ڈالیں۔

حضرت عثمانؓ یہ سُن کر ہنسے۔ ان لوگوں کو بلایا اور مہاجرین وانصار کو جمع کیا پھر ان کی ساری شکایتیں سنیں۔ اس کے بعد صحابہ سے مشورہ لیا کہ ان کے بارے میں کیا کرنا چاہئے بعض لوگوں نے کہا کہ ان کو پکڑ کر قتل کر دیجئے۔ فرمایا کہ نہیں جب تک کسی سے کفر ظاہر نہ ہو یا حد شرعی نہ واجب ہو اس وقت تک اس کو سزا دینا قرین انصاف نہیں۔

اس کے بعد ان کی ایک ایک شکایت کا مفصل جواب دینا شروع کیا۔ فرمایا۔

(۱) یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم نے منا میں پوری نماز پڑھی اور قصر نہیں کیا۔ حالانکہ میں نے آنحضرتؐ سے سنا ہے کہ جب کسی مسافر کے اہل وعیال کسی مقام پر ہوں تو وہ مقیم ہے کیا یہ صحیح نہیں ہے؟ مہاجرین وانصار نے کہا کہ صحیح ہے۔

(۲) یہ کہتے ہیں کہ تم نے چراگاہ کو مخصوص کر دیا۔ میں پوچھتا ہوں کہ میں نے کونسی چراگاہ مخصوص کر دی۔ مدینہ میں صرف ایک چراگاہ بیت المال کے جانوروں کے لئے ہے جو میری خلافت کے قبل سے مخصوص کر دی گئی ہے۔ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ جب میں خلیفہ ہوا تھا اسوقت مجھ سے زیادہ مدینہ میں نہ کسی کے پاس اونٹ تھے نہ بکریاں تھیں۔ آج میرے پاس صرف دو اونٹ ہیں جن کو میں نے حج کی سواری کے لئے رکھ چھوڑا ہے اور جو چرائی پر نہیں جاتے کیا یہ درست نہیں ہے؟ سب نے کہا کہ درست ہے۔

(۳) یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کئی کتابوں کا مجموعہ تھا تم نے صرف ایک کتاب رکھی آپ جانتے ہیں کہ قرآن صرف ایک کتاب ہے اور اکیلے اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس میں کون گھٹا بڑھا سکتا ہے۔ اسکی کتابت میں نے نہیں کی ہے۔ بلکہ معتمد صحابہ کی ایک جماعت نے کی ہے۔ کیا اس میں کوئی بات غلط ہے؟ آواز آئی کہ نہیں ہرگز نہیں۔

(۴) یہ کہتے ہیں کہ حکیم بن العاص کو طائف سے تم نے کیوں بلا لیا میں کہتا ہوں کہ حکیم کو مکہ سے آنحضرتؐ نے نکال کر طائف میں بھیج دیا تھا۔ پھر اپنی زندگی ہی میں انکو طائف سے

مکہ میں بلالیا کیا یہ میرا قول ٹھیک نہیں ہے؟ ہر طرف سے جواب ملا کہ ٹھیک ہے۔

(۵) یہ کہتے ہیں کہ تم نے نوجوان شخص (عبداللہ بن عامر) کو والی بنا دیا ہے۔ حالانکہ میں نے لیاقت عقل و دینداری اور ایمانداری کو جانچ کر ان کو امیر مقرر کیا ہے۔ محض نوجوان ہونا کوئی عیب نہیں مجھ سے پہلے بھی ایسا ہوا ہے۔ اسامہ کو جن کی عمر صرف ۰ا سال کی تھی خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر بنایا تھا۔ کیا میں بیجا کہتا ہوں؟ متفقہ طور پر لوگ بول اٹھے کہ نہیں آپ نے بجا فرمایا۔

(۶) یہ کہتے ہیں کہ تم نے اپنے رشتہ داروں کو سارا مال غنیمت بخش دیا۔ حالانکہ میں نے عبداللہ بن سعد کو خمس غنیمت میں سے صرف پانچواں حصہ دیا تھا۔ مجھ سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانوں میں بھی ایسا ہوا ہے۔ باوجود اس کے جب مجھے علم ہوا کہ فوج نے اس کو ناپسند کیا تو میں نے وہ رقم ابن سعد سے واپس لے لی۔ کیا یہ واقعہ نہیں؟ سب نے کہا کہ ہے۔

(۷) یہ کہتے ہیں کہ تم نے اپنے اقربا کو امارتیں دے رکھی ہیں۔ میرے نزدیک یہ کوئی عیب نہیں بشرطیکہ ان میں صلاحیت ہو۔ اس لئے کہ وہ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ قابل اعتماد ہوتے ہیں۔ تاہم اگر لوگ اس امر کو ناپسند کرتے ہیں تو ان کی بجائے دوسروں کو مقرر کرنے کے لئے میں تیار ہوں۔ جو ان سے زیادہ خوبی کے ساتھ کام کر سکیں۔

(۸) یہ کہتے ہیں کہ میں اپنے اہل خاندان کی محبت رکھتا ہوں اور ان کو عطیے دیتا ہوں دنیا میں کون کہہ سکتا ہے کہ اپنے کنبہ والوں کی محبت رکھنا گناہ ہے جب تک کہ اس سے کسی کا حق ضائع اور کسی پر ظلم نہ ہوتا ہو۔ میں ان کو عطیے بھی دیتا ہوں لیکن اپنے خاص مال میں سے عہد رسالت سے میں ان کے ساتھ اس قسم کے سلوک کرتا رہا ہوں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بیت المال میں سے آج تک میں نے خود اپنے خرچ کے لئے بھی ایک حبہ نہیں لیا۔ کیا اپنے ذاتی مال میں بھی مجھکو تصرف کا اختیار نہیں ہے کہ اپنے کنبہ کے جس شخص کو چاہوں دوں۔

حضرت عثمان نے اپنی زمین اور اپنے مال کو تمام بنی امیہ میں تقسیم کر دیا تھا اس میں اپنے بیٹوں کا حصہ بھی سب کی برابر ہی رکھا تھا۔

اس وقت ان وفود کے ساتھ اور کچھ نہیں کیا صرف جواب دینے پر اکتفا کی اور
ان کو رخصت کر دیا۔

لیکن ان لوگوں کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ان اعتراضات کے جوابات سے تسلّی
حاصل کریں بلکہ وہ تو یہ چاہتے تھے کہ خلیفہ کے خلاف ملک میں شورش پھیلائیں۔

مدینہ سے واپس آکر انہوں نے پھر باہم مراسلت شروع کی اور آپس میں یہ طے کیا کہ
تینوں مقامات سے پھر ایک ایک جماعت یہ ظاہر کر کے کہ ہم مکہ میں عمرہ کے لئے جاتے ہیں
نکلے اور سب مدینہ میں آکر جمع ہو جائیں چنانچہ مصر سے ایک ہزار آدمی روانہ ہوئے جن کا
سردار غافقی بن حرب تھا۔ عبداللہ بن سبا بھی ساتھ تھا۔ ان لوگوں کو یہ جرأت نہ ہوسکی
کہ مدینہ کے نام سے نکلتے بلکہ حسب قرارداد مکہ کی زیارت کا قصد مشہور کر کے روانہ ہوئے۔

کوفہ سے بھی اسی قدر آدمی چلے۔ ان کا امیر عمرو بن اصم تھا۔ اور بصرہ والوں کی تعداد
بھی اسی قدر تھی ان کا سرغنہ حرقوص بن زہیر سعدی تھا۔

ہر ہر مقام کے لوگ ایک ہی بار نہیں نکلے بلکہ چار چار مختلف قافلے بنا کر نکلے پھر آگے
بڑھ کر ایک ساتھ ہو گئے اور مدینہ کے متصل پہنچکر تینوں مقامات کے لوگ مل گئے۔

اس امر میں سب متفق تھے کہ خلیفہ وقت کو قتل کر دیں لیکن ان کے بعد کس کو خلیفہ بنائیں
اس میں اختلاف تھا۔ بصرہ کے چند لوگ حضرت طلحہ کے خواہاں تھے اور بعض اہل کوفہ حضرت
زبیر کے۔ لیکن بقیہ لوگ اور خاص کر اہل مصر عبداللہ بن سبا کی تعلیم اور محمد بن ابوبکر کے اثر سے
جو حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ربیب تھے حضرت علی کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔

مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر ٹھہر گئے اور دو آدمیوں کو بھیجا کہ مدینہ کی حالت دیکھ
آئیں کیونکہ ان کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں ان کے آنے کی اطلاع وہاں نہ پہنچ گئی ہو اور اہل
مدینہ ان کے مقابلہ کے لئے تیار نہ ہو گئے ہوں۔

ان لوگوں نے جب مدینہ کی حالت دیکھ لی کہ یہاں سکون ہے تو حضرت علی طلحہ اور زبیر

رضی اللہ عنہم سے ملے اور کہا کہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ آپ ہم کو خلیفہ کے پاس لے چلیں تا کہ ہم ان سے درخواست کریں کہ وہ اپنے والی کو جس کے ظلم سے ہم تنگ آگئے ہیں واپس بلالیں۔ لیکن ان سب لوگوں نے انکار کر دیا۔

وہ دونوں اپنی جماعت میں واپس آگئے۔ اور مدینہ کے حالات بیان کئے۔ دوبارہ تینوں مقامات کے لوگ زیادہ تعداد میں مدینہ میں آئے اہل مصر حضرت علیؓ کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے کہا کہ جب حضرت عثمان ہماری شکائتیں نہیں سنتے تو بہتر یہ ہے کہ خلافت کی باگ آپ اپنے ہاتھ میں لیں۔ انھوں نے قطعی انکار کیا۔ پھر حضرت طلحہ اور زبیر کے پاس گئے۔ وہاں سے بھی اسی قسم کا جواب ملا۔ یہ لوگ پھر اپنی فرودگاہ پر واپس چلے آئے۔ اس کے بعد متفقہ طور پہ یہ ساری جماعت مدینہ کے پاس پہنچ گئی اور چاروں طرف سے تکبیر کے نعرے لگاتی ہوئی خلیفہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور اعلان کرا دیا کہ جو شخص اپنی تلوار کو میان میں رکھے گا اس کو امان ہے۔

حضرت علی ان کے پاس گئے اور پوچھا کہ تم لوگ یہاں سے جانے کے بعد پھر کیوں واپس آگئے۔ اہل مصر نے کہا کہ ہم نے ایک خط پکڑا جو قاصد کے ہاتھ خلیفہ نے والئ مصر کے نام بھیجا ہے جس میں حکم لکھا ہے کہ ہم جس وقت وہاں پہنچیں وہ ہم کو قتل کر دے۔ یہ سنکر حضرت علی نے اہل کوفہ و بصرہ سے پوچھا کہ تم کیسے آئے انھوں نے جواب دیا کہ ہم اپنے مصری بھائیوں کی امداد کو آئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ تمہارا راستہ بالکل دوسری سمت میں تھا۔ یہاں سے تین منزل جانے کے بعد تمھیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ مصریوں کے متعلق ایسا فرمان نافذ ہوا ہے اور اس کو انھوں نے پکڑ لیا ہے جو تم ان کی امداد کے لئے واپس آگئے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم سب لوگوں کا بیان غلط ہے۔ تم نے پہلے ہی سے اس کی سازش کر رکھی تھی۔

ان لوگوں نے کہا کہ آپ جو چاہیں خیال کریں ہم کو اس خلیفہ کی ضرورت نہیں ہے اس کا خون بہانا حلال ہے۔ آپ بھی اس میں ہماری شرکت کیجئے۔ انھوں نے کہا کہ میں اس میں کبھی تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ ان لوگوں نے کہا کہ پھر آپ نے ہم کو لکھا کیوں تھا حضرت علیؓ

نے فرمایا کہ میں نے کبھی کچھ تم کو نہیں لکھا۔ یہ سنکر وہ آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مفسدوں نے حضرت علی کی طرف سے جعلی خطوط بھیجکر لوگوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسایا تھا۔ حضرت علی ان کو چھوڑ کر مدینہ سے باہر چلے گئے۔

وہ لوگ اس فرمان کو جس کی بابت وہ دعوی کرتے تھے کہ ہم نے خلیفہ کے قاصد کو پکڑ کر چھینا ہے لیکر حضرت عثمانؓ کے پاس گئے۔ اور کہا کہ آپ نے ہمارے بارے میں یہ حکم لکھا ہے؟

انھوں نے جواب دیا کہ دو صورتیں ہیں یا تو تم اس کے ثبوت میں دو گواہ پیش کرو۔ ورنہ مجھ سے قسم لے لو جو میں نے اس کو لکھا ہو۔ یا مجھے اس کا علم بھی ہو۔ تم جانتے ہو کہ کسی کی طرف سے خط لکھ لینا بہت آسان ہے۔ نیز ایک مہر کی طرح دوسری مہر بھی بنوائی جاسکتی ہے۔

باغیوں نے کہا کہ آپ نے ہمارے قتل کا فرمان لکھا ہے۔ ہم آپ کی خلافت نہیں چاہتے بلکہ آپ کا خون ہمارے لئے مباح ہے۔ پہلے انھوں نے زور دیا کہ وہ خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ لیکن حضرت عثمان نے انکار کیا اور کہا کہ جو عزت کی قمیص اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پہنائی ہے میں خود اس کو نہیں اُتاروں گا۔

چند دنوں تک مسجد میں ان کے ساتھ نماز پڑھتے رہے۔ لیکن پھر باغیوں نے ان کو ان کے گھر میں محصور کر دیا۔ یہاں تک کہ پانی بھی روک دیا۔ بڑی کوشش سے مخفی طرر پر ایک پڑوسی کے ذریعہ سے ان کے یہاں پینے کے لئے پانی پہنچایا جاتا تھا۔ حضرت عثمان ان سرکشوں کو بار بار سمجھاتے اور نصیحت کرتے تھے لیکن ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا تھا۔

محاصرہ ہی کی حالت میں عبداللہ بن عباس کو امیر الحاج مقرر کیا اور اپنی مفصل حالت لکھ کر ان کو دی کہ مکہ میں مسلمانوں کو سنا دیں۔

باغیوں نے سوچا کہ محاصرہ میں زیادہ دیر ہو گئی تو جا بجا سے مسلمان خلیفہ کی مدافعت کے لئے آجائیں گے۔ اس لئے انھوں نے عجلت کر کے گھر کے دروازہ میں آگ لگا دی اور اس کو گرا کر اندر گھس آئے۔ بعض لوگ ابن حزم کے مکان میں سے جو خلیفہ کے پڑوسی تھے کود کر

داخل ہوئے۔

حضرت عثمانؓ نے یہ حالت دیکھ کر اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کیا حضرت علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے بیٹے وغیرہ جوان کی مدافعت کے لئے آگئے تھے اور جن کی تعداد اس قدر کم تھی کہ ان سے کچھ ہو نہیں سکتا تھا ان کو یہ کہکر رخصت کیا کہ تم لوگ میرے لئے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اور خود اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرنے لگے۔

پہلے باغیوں کی ایک جماعت ان کی طرف آئی جس میں محمد بن ابوبکر تھے لیکن اس نے قتل نہیں کیا پھر مصریوں کا سردار غافقی پہنچا اس نے چھرے سے وار کیا۔ اس کے بعد سودان بن حمران نے تلوار ماری۔ حضرت عثمان کی وفادار بیوی نائلہ بنت الفرافصہ روکنے کی غرض سے ان کے اوپر آکر گر پڑیں۔ سودان کی تلوار سے ان کی نصف ہتیلی معہ انگلیوں کے کٹ کر دور جا پڑی۔ پھر کسی تیسرے شخص نے خلیفہ کی گردن تن سے جدا کردی اس کے بعد باغیوں نے گھر کا سارا مال متاع لوٹ لیا اور مدینہ میں ان کے قتل کا اعلان کر دیا۔

محاصرہ کی کل مدت ۲۲ روز تھی اور ۱۸ ذی حجہ ۳۵ھ مطابق ۲۰ مئی ۶۵۶ء کو وہ قتل ہوئے۔ اسی منحوس تاریخ سے امت میں فتنہ کا آغاز ہوا۔ اور ایک مسلمان کی تلوار دوسرے مسلمان پر چلنے لگی۔

قتل کے اسباب

اکابر بزرگان ملت جب باہم ایک دوسرے کے خیر خواہ اور حامی ہوں تو امت میں کوئی فتنہ برپا نہیں ہو سکتا لیکن جب ان کے دلوں میں محبت کے بجائے نفرت پیدا ہو جائے تو مفسدوں کو موقع مل جاتا ہے۔ یہی حال اس وقت رؤسائے مدینہ کا تھا ان میں سے بعض در پردہ اور بعض پس پشت حضرت عثمانؓ کے حق میں ایسے الفاظ استعمال کرتے تھے جن سے ان کی تحقیر ہوتی تھی۔ عام طور پر ان کو نعثل کا خطاب دے رکھا تھا جو ایک مصری شخص کا نام تھا جس کی ڈاڑھی بہت لمبی تھی۔ اور غالباً اس کے سوا اور کوئی عیب ان کے اندر انھوں نے

پایا بھی نہیں تھا۔

حضرت عثمان ان باتوں کو برداشت کرتے تھے۔ کیونکہ کسی کے اوپر سختی کرنا بالطبع ان کو ناگوار تھا۔

رؤساء کی ان حقارت آمیز باتوں کا اثر عوام پر بہت بُرا پڑا۔ ان کے دلوں سے خلیفہ اور اسی کے ساتھ خود خلافت کی ہیبت وعظمت جاتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک روز کسی شخص نے اٹھ کر اس عصا کو توڑ کر پھینک دیا جس کو ہاتھ میں لے کر حضرت عثمان مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ پڑھا کرتے تھے حالانکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عصا تھا۔

۲۔ حضرت عثمانؓ حلم، حیا اور نرم مزاجی میں ہمیشہ سے مشہور تھے اور وہ اس سے بہت خائف رہتے تھے کہ کسی فتنہ کا آغاز ان کی ذات سے ہو۔ اسی لئے اکثر امور میں چشم پوشی کرتے تھے اور نرمی سے کام لیتے تھے مگر یہ خلق کسی حکیم یا عالم میں ہو تو بہت قابل تعریف ہے لیکن فرماں روا اور خلیفہ کے لئے پسندیدہ نہیں۔ کیونکہ اس سے حکومت اور خلافت کا رعب رعایا کے دلوں میں قائم نہیں رہتا اور وہ اپنے حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ نیز فتنہ پرداز اس کی نرم خوئی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر لوگوں میں شورش پھیلانے لگتے ہیں چنانچہ حضرت عثمان کو ان کے امراء نے حج کے موقع پر متفقہ طور پر یہ مشورہ دیا تھا کہ ان مفسدوں کی گوشمالی کیجئے۔ لیکن انھوں نے سختی کو پسند نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فتنہ بڑھ گیا۔ پھر جب وہ لوگ پہلی بار مدینہ میں آئے تو وہاں بھی اہل رائے نے یہی کہا کہ ان کو پکڑ کر قتل کر دیجئے۔ لیکن انھوں نے اس وقت بھی کچھ نہیں کیا، صرف ان کے جوابات دینے پر کفایت کی۔ حالانکہ ان مفسدوں کا مقصد اصلاح نہ تھا بلکہ فساد پیدا کرنا چاہتے تھے۔

۳۔ عبداللہ بن سبا جو اس تمام فتنہ کا بانی تھا اس کی اصل غرض یہی تھی کہ مسلمانوں میں سیاسی تفرقہ ڈال کر ان کو برباد کر دے۔ اس نے اس زمانے کے نیک اور سادہ دل عوام کو رسول اللہ اور ان کی آل کی محبت کے اظہار سے اپنے دام فریب میں پھنسا لیا اور وہ اس کے کہنے سے بالکل جھوٹے اور غلط الزامات لگا کر خلیفہ اور امراء وقت کے مخالف ہو گئے۔ انھوں نے ولید

بن عقبہ کی شکایت کی۔ حالانکہ یہی ولید حضرت عمر کے عہد میں ان کی وفات تک عامل رہے تھے۔ وہ سعید بن عاص کے دشمن ہو گئے۔ جن کو بصرہ کے باشندے سب سے بہتر امیر تسلیم کر چکے تھے۔ امیر معاویہ پر الزامات تراشتے تھے جو خلیفہ اول بلکہ عہد رسالت سے معتمد علیہ تھے۔ اور جن کی بدولت رومیوں کے مقابلہ میں اسلام کو زبردست قوت اور شوکت حاصل ہو گئی تھی۔ عبداللہ بن سعد والی افریقہ کے مخالف تھے۔ محض اس وجہ سے کہ آنحضرتؐ نے ایک بار ان کے قتل کا حکم دیا تھا۔ لیکن حضرت عثمان نے بیچ میں پڑ کر معاف کرا لیا تھا۔ حالانکہ جب دربار رسالت سے ان کا جرم معاف کر دیا گیا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کے اوپر ایک دائمی پردہ ڈال دیا گیا۔

افسوس یہ ہے کہ اس فساد انگیز جماعت کی طرف امت کے رہنماؤں نے بھی بروقت توجہ نہ کی۔ آخرکار اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے عظیم الشان فتنہ کا دروازہ کھل گیا جو بڑی تباہیوں کا موجب ہوا۔

اس حادثہ کی ذمہ داری جن لوگوں پر عائد ہوتی ہے حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ کا ان میں سے سب سے کم قصور ہے کیونکہ بردباری اور نرم خوئی کسی زمانہ میں بھی قابل ملامت نہیں سمجھی گئی ہے۔ رؤسائے مدینہ جن میں اعیان صحابہ اور امرائے لشکر موجود تھے ان کے اوپر تاریخ یہ گرفت کر سکتی ہے کہ انھوں نے خلیفہ کی حمایت اور مدافعت میں پوری کوشش نہیں کی ورنہ یہ شورش انگیز آفاقی کبھی اس طرح خلیفہ کو قتل اور خلافت کو ذلیل نہیں کر سکتے تھے۔ یہ دراصل نتیجہ تھا اس بات کا کہ دلوں میں باہم وہ اتحاد باقی نہیں رہ گیا تھا۔ جو پہلے خلفاء کے وقت میں تھا۔

دفن عثمانؓ

عجیب بات یہ ہے کہ ان باغیوں نے قتل کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ کے دفن کی بھی اجازت نہیں دی بڑی مشکل سے مخفی طور پر رات کو چند آدمیوں نے لے جا کر ان کو دفن

کیا حضرت جبیر بن مطعم نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

بیعت عثمانؓ

مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی رقیہؓ کے ساتھ ان کا نکاح ہوا تھا۔ ان کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ وہ بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ پھر رقیہؓ کے بعد ان کی دوسری بہن حضرت ام کلثوم ان کے نکاح میں آئیں۔ تیسری بیوی فاختہ بن غزوان تھیں ان سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ اصغر رکھا۔ یہ بھی کم سنی میں گزر گئے۔ چوتھا نکاح ام عمرو بنت جندب کے ساتھ کیا ان سے عمر۔ خالد۔ ابان اور مریم چار اولادیں ہوئیں۔ پانچواں نکاح فاطمہ مخزومیہ کے ساتھ ہوا۔ ان سے ولید سعید اور ام سعید تین بچے ہوئے۔ ام البنین بنت عینیہ بن حصن فزاری بھی ان کے نکاح میں آئیں ان کے شکم سے عبدالملک پیدا ہوئے جو لڑکپن میں وفات پا گئے۔ ساتواں نکاح رملہ بنت شیبہ سے ہوا۔ ان سے عائشہ ام ابان اور ام عمر تین بیٹیاں ہوئیں۔ آخری بیوی نائلہ بنت الفرافصہ تھیں۔ ان سے ایک بیٹی مریم پیدا ہوئی۔

جس وقت قتل ہوئے۔ اس وقت فاختہ۔ ام البنین۔ رملہ اور نائلہ چار بیویاں تھیں۔

مآثر عثمانؓ

حضرت عثمان ابتدا سے حیا، حسن صورت و سیرت اور دانائی میں مشہور اور قریش میں ہردلعزیز تھے۔ اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے جس نے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہ یہی تھے۔ پھر مدینہ کی بھی ہجرت کی۔ جیش عسرۃ کی امداد کے لئے ایک ہزار اونٹ پچاس گھوڑے اور ایک ہزار دینار دئے۔ بئر رومہ جو یہودیوں کا کنواں تھا اس کو بیس ہزار درہم پر خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا۔ ۲۶ ھ میں کعبہ کے ارد گرد کے مکانات خرید کر حرم کو بڑھایا۔ اسی طرح ۲۹ ھ میں مسجد نبوی میں اضافہ کیا اور چونے اور پتھر سے اس کی تعمیر کی۔ رمضان مبارک میں اہل مدینہ کو کھانا کھلاتے تھے۔ اور کوفہ میں بھی ضیافت خانے بنوائے تھے۔

خوش خلقی، عبادت، تقوےٰ اور کرم میں نہایت ممتاز تھے اور عدل و انصاف و مساوات

کے اسی قدر عاشق تھے جس قدر حضرت عمرؓ آخری زمانہ خلافت میں کبرسنی کی وجہ سے اگر بنی امیہ اور خاصکر مروان بن حکم کی رائے میں نہ آگئے ہوتے تو ان کا زمانہ عہد فاروقی سے کم نہ ہوتا۔

صحابہ میں کتاب اللہ کا حافظ ان سے بہتر کوئی نہ تھا قرآن سے ان کو سیری نہیں ہوتی تھی کبھی کبھی ساری رات اس کی تلاوت میں گذار دیتے تھے۔

جب اختلاف قرأت کا خوف ہوا تو امت کو ایک قرأت پر مجتمع کرنے کیلئے مصحف اصلی کا ایک ایک نسخہ نقل کرا کے ہر ہر صوبہ میں بھیج دیا جن میں سے بعض اب تک محفوظ ہیں۔

عمال عہد عثمانؓ

مکہ۔ عبداللہ بن حضرمی

طائف۔ قاسم بن ربیعہ ثقفی

صنعاء۔ یعلیٰ بن منیہ

جند۔ عبداللہ بن ربیعہ

بصرہ۔ عبداللہ بن عامر

کوفہ۔ ابوموسیٰ اشعری

شام۔ امیر معاویہ

قنسرین۔ حبیب بن مسلمہ فہری

مصر۔ عبداللہ بن سعد

بیت المال پر عقبہ بن عامر اور قضاء پر حضرت زید بن ثابت تھے۔

اگرچہ ان امراء میں سے صرف تین شخص حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار تھے۔ یعنی امیر معاویہ عبداللہ بن عامر اور عبداللہ بن سعد لیکن اصلیت یہ ہے کہ بڑی بڑی ولائتیں صرف پانچ ہیں

بصرہ۔ اس کے تابع تمام مشرقی مقبوضات تھے۔

کوفہ۔ رے اور آذربیجان کا دارالحکومت تھا۔

قنسرین ۔ اس کے ماتحت سارا آرمینیہ تھا۔

مصر ۔ کل افریقی مفتوحات کا مرکز تھا۔

شام ۔ پورے چار صوبوں حمص ۔ دمشق ۔ فلسطین اور اردن کا مجموعہ تھا۔

ان پانچ میں سے تین پر ان کے رشتہ دار تھے ۔ جو اپنے ماتحت عمال کو خود مقرر کرتے تھے کوفہ میں بھی پہلے سعید بن عاص تھے جو حضرت عثمان کے قرابت مند تھے یہی وجہ تھی کہ لوگوں نے ان پر نکتہ چینی کی تھی کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو حکومتیں دیتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

حضرت علی کے انتخاب کی کیفیت سابقہ خلفاء کے انتخاب سے بالکل جداگانہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر خفیف اختلاف کے بعد لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق کو خلیفہ تسلیم کر لیا جب وہ گذر گئے تو حضرت عمرؓ بذریعہ فرمان ولی عہدی خلیفہ مقرر ہوئے اور کوئی اختلاف واقع نہیں ہوا ۔ اسی طرح خلیفہ ثالث کے انتخاب کے موقع پر چند افراد میں سے ایک خاص شخص کا تعین کرنا تھا ۔ وہ بھی کثرت رائے سے طے پا گیا اور باہم کوئی نزاع نہیں پیدا ہوئی ۔ کیونکہ ان تینوں موقعوں پر اکابر صحابہ اور اعیان مہاجرین و انصار بیشتر مدینہ میں موجود تھے جن کے اتفاق کے بعد تمام امت کا اتفاق ہو جاتا تھا۔

انتخاب

حضرت عثمان کے حادثہ کے وقت بیشتر بزرگان امت دوسرے مقامات میں تھے اور قدرتاً مدینہ میں انھی لوگوں کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا جنھوں نے خلیفہ کو قتل کیا تھا ۔ ان کی نگاہ میں حضرت علی سے زیادہ کوئی شخص خلافت کا مستحق نہ تھا چنانچہ باوجود ان کے انکار کے بھی اصرار کر کے ان کو خلیفہ بنایا ۔ سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر مالک اشتر نے بیعت کی پھر دوسرے لوگوں نے۔

ان کے نزدیک اب سب سے اہم یہ بات تھی کہ حضرت طلحہ اور زبیر بھی بیعت کر لیں کیونکہ یہ لوگ بھی رجال شورائے اور خلافت کے امیدواروں میں سے تھے۔ اس لئے ان کی طرف سے خطرہ تھا۔ چنانچہ وہ بلائے گئے۔ حضرت طلحہ کو کچھ پس و پیش ہوا اس پر اشتر نے تلوار کھینچ لی اور کہا کہ اگر بیعت نہ کروگے تو ایک وار میں پیشانی کے دو ٹکڑے کردوں گا۔ مجبوراً انھوں نے ہاتھ بڑھایا۔ حضرت زبیر نے بھی انھی کی تقلید کی۔

سعد بن ابی وقاص بھی طلب ہوئے۔ انھوں نے اپنا دروازہ بند کر لیا اور کہا کہ جب تک سب لوگ بیعت نہ کرلیں گے میں نہیں کروں گا۔ لیکن میری طرف سے کسی خطرہ کا اندیشہ نہ کرو۔ لوگوں نے ان کو مہلت دی۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے بھی یہی کہا۔ ان سے کہا گیا۔ کہ ضامن لاؤ۔ انھوں نے انکار کیا۔ اس پر اشتر نے غصہ میں کہا کہ حکم ہو تو ان کی گردن اڑا دوں۔ حضرت علی نے روکا اور کہا کہ یہ کیا جہالت ہے۔ ان کا ضامن میں ہوں۔

رؤسائے انصار میں سے حضرت حسان بن ثابت۔ کعب بن مالک۔ مسلمہ بن مخلد۔ ابو سعید خدری۔ محمد بن مسلمہ۔ نعمان بن بشیر۔ زید بن ثابت۔ فضالہ بن عبید اور کعب بن عجرہ نے بیعت نہیں کی۔ دیگر مشاہیر میں سے حضرت عبداللہ بن شعبہ۔ عبداللہ بن سلام اور قدامہ بن مظعون بھی بیعت میں شریک نہیں ہوئے۔ کچھ لوگ اس خیال سے کہ ان کو بیعت نہ کرنی پڑے مدینہ سے شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

ترجمۂ علیؓ

حضرت علی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم۔ ان کی والدہ فاطمہ بنت اسد تھیں ہجرت سے ۲۱ سال قبل ان کی ولادت ہوئی بچپن ہی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رہے۔ اور وہیں ان کی پرورش ہوئی۔ آنحضرت صلعم کو جس وقت نبوت عطا ہوئی اس وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ لڑکوں میں سب سے پہلے یہی ایمان لائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ہجرت مدینہ کا حکم ملا اور رات کو گھر سے نکل کر چلنے لگے تو حضرت علی کو اپنے بستر پر سلا دیا۔ اور حکم دیا کہ لوگوں کی جو امانتیں میرے پاس رکھی ہوئی ہیں اُن کو ادا کر کے مدینہ چلے آنا۔ باوجود اس کے کہ دشمنان دین گھر کے چاروں طرف ننگی تلواریں لئے ہوئے کھڑے تھے۔ لیکن حضرت علی بے خوف وخطر اس بستر پر آپ کی ردائے مبارک اوڑھ کر سو رہے۔

ہجرت سے تقریباً پانچ مہینے کے بعد مدینہ میں آنحضرت صلعم نے ان کا نکاح حضرت فاطمہ زہراؓ کے ساتھ کر دیا۔ اس وقت ان کی عمر ۲۱ سال پانچ ماہ اور حضرت فاطمہؓ کی اٹھارہ سال چھ ماہ کی تھی۔

سوائے جنگ تبوک کے باقی تمام غزوات میں آنحضرتؐ کے ہمرکاب ہے اور بے نظیر شجاعت کا اظہار کیا۔ سخت سے سخت لڑائی میں بھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر عہد نامے اور خطوط یہی لکھتے تھے۔ جب آنحضرتؐ نے وفات پائی تو بوجہ قرابت قریبہ کے خلافت کے لئے یہ اپنے حق کو مرجح سمجھتے تھے لیکن سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر کی خلافت پر لوگوں نے اتفاق کر لیا۔ اس لئے انھوں نے بھی بیعت کر لی۔ ان کے بعد حضرت عمر خلیفہ ہو گئے ان کے عہد میں یہ مشیر خاص رہے ان کی وفات پا جانے پر امید قوی تھی کہ ان کا انتخاب ہو جائے گا۔ لیکن حضرت عثمان خلیفہ ہو گئے بالآخر ان کے قتل کے پانچ روز کے بعد ان کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔

خطبۂ خلافت

بیعت کے بعد منبر پر کھڑے ہو کر ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں مسلمانوں کے باہمی حقوق کی تشریح اور ان کو فتنہ سے پرہیز کرنے کی ہدایت کی۔ نیز یہ بتلایا کہ ہم میں سے ہر شخص کی ذمہ داری کیا ہے۔ پھر خصوصیت کے ساتھ تقوے کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ جو کچھ ہم دنیا میں کریں گے اسی کا نتیجہ آخرت میں دیکھیں گے۔

خطبہ کے بعد صحابہ کی ایک جماعت ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ خلیفہ کا پہلا

فرض یہ ہے کہ حدود شرعیہ کو قائم رکھے۔ لہذا جو لوگ خلیفہ کے قتل میں شریک ہوئے۔ ان سے قصاص لینا چاہیئے۔ فرمایا کہ میں بھی اس بات کو جانتا ہوں لیکن تم دیکھتے ہو کہ وہی لوگ ہمارے اوپر غالب ہو رہے ہیں اس لئے جب تک ہم مغلوب ہیں کیونکر قصاص لے سکتے ہیں میں تسلیم کرتا ہوں کہ ان لوگوں نے جو فعل کیا ہے وہ جاہلیت کا فعل ہے۔ اطمینان و سکون ہو جانے دو اس کے بعد آکر کہنا۔ اس وقت مجھے مہلت دو۔

لوگ واپس چلے آئے لیکن مختلف قسم کے خیالات دلوں میں پیدا ہونے لگے بعض لوگوں نے اس جواب کو معقول سمجھ کر خاموشی اختیار کی بعضوں نے کہا کہ ان باغیوں کی حالت اگر یہی رہی تو ان کا زور روز بروز بڑھتا جائے گا۔ اور پھر ہم کبھی ان سے قصاص لینے پر قادر نہ ہوں گے۔

بنی امیہ بالعموم اور بعض دیگر صحابہ مدینہ سے نکل گئے تھے۔ اس لئے جو لوگ باقی رہ گئے تھے حضرت علی نے ان کو مدینہ میں روک لیا۔ وہ لوگ اس سے بددل ہو گئے اور کہنے لگے کہ خلافت ان کے ہاتھ میں رہی تو یہ قریش پر سب سے زیادہ سختی کریں گے۔

پہلا کام

خلیفہ ہونے کے بعد حضرت علی نے سب سے پہلے حضرت عثمان کے عہد کے تمام والیوں کی معزولی کا فرمان لکھوایا اور ان کے بجائے دوسرے لوگوں کو مقرر کر کے روانہ کیا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے جو مدبرین عرب میں ممتاز خیال کئے جاتے تھے ان کو اس سے روکنے کی کوشش کی۔ نیز ان کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس نے کہ وہ بھی عقلائے قریش میں سے تھے اس کا انجام سمجھا کر اس سے باز رکھنا چاہا لیکن انھوں نے نہیں مانا۔

غالباً ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ یہ امراء اس قابل نہیں ہیں کہ ایک دن بھی والی رکھے جائیں۔ لیکن قانونی حیثیت سے اگر انتظار کیا جاتا کہ خود یہ امراء اور دیار و امصار کے لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا کیونکہ اس کے بعد بلا خوف و خطر جس کو چاہتے معزول کر دیتے۔ اس لئے کہ خلیفہ کو یہ اختیار ہے کہ جس کو چاہے والی بنائے اور جسکو چاہے

برطرف کر دے۔ اور بلا تکمیل بیعت یہ اندیشہ ضرور تھا کہ امرا ان کی خلافت ہی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں گے۔ اس لئے اس عجیب و غریب عجلت کا کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا۔ کیونکہ اس انتظار میں کوئی شرعی مواخذہ بھی نہ تھا۔ بخلاف اس کے خلیفہ کے قاتلوں سے قصاص لینے میں تاخیر کو انھوں نے خود روا رکھا حالانکہ وہ ایک شرعی حد ہے جس میں تساہل کرنے پر مواخذۂ عقبیٰ کا خطرہ تھا۔

عثمان بن حنیف کو بصرہ۔ عمارہ بن شہاب کو کوفہ۔ عبیداللہ بن عباس کو یمن قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر اور سہل بن حنیف کو شام کی امارت کا فرمان دیکر روانہ کیا۔

سہل جس وقت تبوک میں پہنچے شامی سواروں کا ایک دستہ ان کے سامنے آیا اور پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میں خلیفہ کی طرف سے شام کا امیر مقرر ہوا ہوں۔ ان لوگوں نے کہا کہ اگر حضرت عثمان نے آپ کو مقرر کیا ہے تو خوشی سے تشریف لائیے ورنہ واپس جائیے۔ مجبوراً سہل واپس چلے آئے۔

قیس بن سعد جب مصر میں پہنچے تو وہاں تین جماعتیں ہو گئیں۔ کچھ لوگ مخالف تھے کچھ لوگ ان کے ساتھ ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ جب تک خلیفہ ہمارے بھائیوں سے قصاص نہ لیں گے ہم ان کے طرفدار ہیں بعض لوگ دونوں فریق کا ساتھ چھوڑ کر کہنے لگے کہ ہم دیکھتے ہیں اگر حضرت علیؓ نے خلیفہ مقتول کا قصاص لیا تو خیر ورنہ ہم ان کو خلیفہ نہیں تسلیم کریں گے۔

والی بصرہ عبداللہ بن عامر حج کے لئے آئے ہوئے تھے۔ عثمان بن حنیف کے پہنچنے پر مصر کی طرح وہاں بھی تین جماعتیں ہو گئیں۔

عمارہ سے کوفہ کے راستہ میں مقام زبالہ میں طلحہ بن خویلد اسدی ملے جو حضرت عثمان کے قتل کی خبر پا کر ان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے آرہے تھے۔ انھوں نے عمارہ سے کہا کہ یہیں سے پلٹ جاؤ۔ ورنہ ہم تمہارا سر کاٹ لیں گے۔

یمن میں عبیداللہ بن عباس کے آنے کی خبر سنکر یعلیٰ بن منبہ خراج کی کل رقم

جو وصول ہوئی تھی لے کر مکہ چلے آئے۔

شورش عام

تمام اسلامی صوبوں کے صدر مقامات میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا۔

امیر معاویہ والی شام جو بنی امیہ کے رئیس اعظم تھے حضرت علی کی خلافت پر رضامند نہ ہوئے کیونکہ وہ خلیفہ کے قتل کے حادثہ میں حضرت علی کو متہم سمجھتے تھے اور اس تہمت کو اس سے تقویت پہنچی کہ حضرت علی نے ان کے قاتلوں سے قصاص نہیں لیا۔ بلکہ ان کو اپنے لشکر میں رکھا علاوہ بریں حضرت علی کی طرف سے ان کی معزولی کا فرمان صادر ہوا جس سے انھوں نے یہ خیال کیا کہ ان کی خلافت کا نتیجہ میرے حق میں اچھا نہ ہوگا۔

چونکہ ان کے ساتھ ایک عظیم الشان فوج بھی تھی جس میں وہ بہت ہر دلعزیز تھے اور جو خود ان کو بہ نسبت کسی دوسرے شخص کے خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتی تھی۔ اسی لئے انھوں نے حضرت علی کی بیعت سے انکار کر دیا۔

حضرت علی نے سبرہ جہنی کو ان سے بیعت لینے کے لئے بھیجا۔ لیکن امیر معاویہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

حضرت عثمان کے قتل کے تیسرے مہینے اعلان مخالفت کیلئے بنی عبس کے ایک شخص کو ایک سادہ قرطاس دیا جس پر نیچے ان کی مہر لگی ہوئی تھی اور عنوان پر صرف یہ لکھا ہوا تھا۔

از معاویہ بہ علی (رضی اللہ عنہ)

اور اس سے کہہ دیا کہ جب تم مدینہ میں داخل ہونا تو اس کو نیچے سے پکڑ کر ہاتھ میں لٹکائے رکھنا تا کہ سب لوگ دیکھ لیں۔

یکم ربیع الاول ۳۶ھ کو عبسی مدینہ میں داخل ہوا۔ لوگوں نے اس طومار کو دیکھا۔ پھر وہ حضرت علی کے پاس آیا۔ اور اس کو ان کے حوالہ کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ اس میں تو کچھ لکھا ہوا نہیں ہے۔ تم بتلاؤ کہ بات کیا ہے۔ اس نے کہا کہ جامع دمشق کے منبر پر خلیفہ مقتول کا خون

آلودہ پیراہن اور نائلہ کا کٹا ہوا ہاتھ رکھا ہے۔ اور ساٹھ ہزار آدمی ان کا ماتم کر رہے ہیں۔ وہ لوگ جب تک ان کے خون کا بدلہ نہ لے لیں گے کبھی راضی نہ ہوں گے۔

حضرت علی نے پوچھا کہ کس سے بدلہ لیں گے؟ اس نے کہا کہ آپ سے۔ فرمایا کہ میں تو خود عثمان کی طرح مغلوب ہوں۔ اب حضرت عثمان کے قاتل بچ گئے۔ ان سے قصاص ملنا مشکل ہے۔ اس کے بعد آسمان کی طرف رُخ کر کے کہا:۔

اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں عثمان کے خون سے بری ہوں۔

عجیب بات یہ ہے کہ جب عبسی فرستادہ واپس چلا تو سبائی فرقہ کے لوگوں نے قتل کرنے کے لئے اس کا پیچھا کیا۔ اس نے مدینہ کے قبائل کو پکارا۔ آخر لوگوں نے بڑی مشکل سے اس کی جان بچائی۔

امام حسن نے حضرت علی سے عرض کیا کہ باہم مسلمانوں میں خونریزی نہیں ہونی چاہیئے لیکن وہ مقابلہ کے لئے تیار ہوئے۔ قثم بن عباس کو مدینہ میں اپنا قائم مقام کیا اور اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو علم عطا فرما کر خود فوج اور سامان کی فراہمی میں مصروف ہو گئے۔

اسی اثنا میں ایک دوسری خبر آئی جو اس سے بھی سخت تھی یعنی یہ کہ ام المومنین عائشہ اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم بصرہ پہنچ گئے ہیں اور وہاں حضرت عثمان کے قاتلوں سے قصاص لینے کے لئے اجتماع ہو رہا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ مدینہ سے حضرت عثمان کی محصوری کے زمانہ میں حج کے لئے تشریف لے گئی تھیں۔ وہیں ان کو اطلاع ملی کہ باغیوں نے خلیفہ کو قتل کر ڈالا اور حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ان کو خلیفہ کے قتل سے نہایت صدمہ ہوا۔ انھوں نے حرم میں مسلمانوں کے سامنے ایک موثر تقریر کی جس میں ثابت کیا کہ جن لوگوں نے خلیفہ کو قتل کیا ہے اسلام کا ایک بہت بڑا اصول توڑ ڈالا ہے اور وہ لوگ باغی ہیں۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس فساد کی اصلاح کی کوشش کریں۔

مکہ میں اس وقت عبداللہ بن حضرمی عامل تھے بصرہ سے یعلیٰ بن منبہ بھی آ گئے اُدھر

مدینہ سے حضرت طلحہ اور زبیر بھی پہنچ گئے۔ ان سب لوگوں نے باہم طے کیا کہ بصرہ میں چل کر حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کیا جائے مروان وغیرہ اکثر افراد بنی امیہ کے بھی اس جماعت میں شامل ہو گئے حضرت عبدالرحمن بن عتاب بن اُسید سیر قافلہ مقرر ہوئے۔ وہی نماز پڑھاتے تھے۔

جب بصرہ کے قریب پہنچے تو وہاں کے امیر عثمان بن حنیف نے جو حضرت علی کی طرف سے مقرر ہوئے تھے عمران بن حصین اور ابوالاسود دئلی کو اس قافلہ میں بھیجا کہ دریافت کریں کہ آنے کی غرض کیا ہے حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ہم خلیفہ مقتول کا قصاص چاہتے ہیں حضرت طلحہ اور زبیر نے بھی یہی جواب دیا۔ ان دونوں نے کہا کیا تم لوگوں نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ کہا بے شک۔ لیکن جبراً ہم سے بیعت لی گئی۔

عثمان بن حنیف نے یہ سن کر چاہا کہ اس قافلہ کو بصرہ میں آنے سے روکیں لیکن وہاں کے سب لوگ ہم خیال نہیں تھے۔ عثمان اپنی جماعت لے کر نکلے اور اس قافلہ کے بائیں پہلو پر مقام مربد میں ٹھہرے۔ بصرہ کی دوسری جماعت جو ام المومنین کی ہم آہنگ تھی دائیں طرف جا کر مجتمع ہوئی۔

حضرت طلحہ اور زبیر نے لوگوں کو مخاطب کر کے خلیفہ مقتول کے قصاص کے مطالبے کیلئے جوش دلایا۔ عثمان کے ساتھی مخالفت پر آمادہ ہوئے اور لڑنے کے لئے بڑھے یہ دیکھ کر حضرت عائشہ نے جن کی آواز بلند اور رعب دار تھی مجمع کے سامنے تقریر شروع کی۔ ان کے بیان سے نہ صرف لڑائی رک گئی بلکہ مخالفین نصف سے زائد آکر ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور کہنے لگے کہ ام المومنین نے جو کچھ فرمایا بالکل درست اور صحیح ہے۔

حکیم بن جبلہ جس کے یہاں عبداللہ بن سبا سب سے پہلے آکر ٹھہرا تھا اس نے جنگ شروع کر دی۔ لوگوں نے اس کو منع کیا اور اس سے ہاتھ روکے رکھا۔ لیکن جب وہ نہ مانا تو مدافعت کی۔ تھوڑی دیر میں رات کی تاریکی نے لڑائی کو ختم کر دیا۔

دوسرے دن صبح کو عثمان اور حکیم دونوں نے جنگ شروع کی۔ حضرت عائشہ کا منادی)

برابر ان کو آواز دیتا تھا کہ نہ لڑو لیکن وہ دو پہر تک لڑتے رہے۔ آخر میں جب شکست کھائی تو صلح کی۔ قرارداد یہ ہوئی کہ مدینہ میں ایک معتبر آدمی بھیجا جائے تو وہاں کے لوگوں سے دریافت کر کے آئے کہ حضرت طلحہ اور زبیر سے جبراً بیعت لی گئی ہے یا نہیں۔ اگر واقعی جیسا کہ ان کا بیان ہے ان کے سروں پر تلوار رکھ کر بیعت لی گئی ہے تو ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ ہو جائیں گے ورنہ آپ ہمارے ساتھ ہو جائیں۔

بصرہ کے قاضی کعب بن سور مدینہ روانہ کیے گئے۔ انھوں نے پہنچ کر مسجد نبوی میں پکار کر کہا کہ مجھکو اہل بصرہ نے یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا ہے کہ حضرت طلحہ اور زبیر سے خلافت کی بیعت جبراً لی گئی یا انھوں نے اپنی خوشی سے کی ہے۔ اس لئے جو اصلیت ہو مجھ کو بتا دی جائے۔ سب لوگ سن کر خاموش رہے۔ لیکن حضرت اسامہ بن زید نے صاف کہہ دیا کہ دونوں سے جبراً بیعت لی گئی ہے۔ سہل بن حنیف اور ان کے چند ہم خیال حضرت اسامہ پر حملہ کر بیٹھے۔ اگر حضرت صہیب۔ ابوالیوب انصاری اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم نے بچا نہ لیا ہوتا تو یقیناً وہ لوگ ان کو مار ڈالتے۔ حضرت صہیب اسامہ کو اپنے گھر لے گئے اور کہا کہ جس طرح ہم سب لوگ خاموش رہے اگر اسی طرح تم بھی چپ رہ جاتے تو کیا حرج تھا۔

حضرت علی کو جب اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے عثمان بن حنیف کو خط لکھا کہ تم تساہل کر رہے ہو اگر ان سے جبراً بھی بیعت لی گئی تو کیا ہوا کیونکہ وہ اتحاد پر مجبور کئے گئے تھے نہ کہ افتراق پر۔

کعب بن سور اور یہ خط دونوں ایک ساتھ بصرہ میں پہنچے۔ حضرت طلحہ اور زبیر نے عثمان سے کہا کہ کعب نے چونکہ ہماری بات کی تصدیق کر دی اس لئے قرارداد کے مطابق تم ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ لیکن انھوں نے خلیفہ کے حکم کی بنیاد پر انکار کر دیا آخر لڑائی ہوئی اور گرفتار کئے گئے حضرت عائشہ نے حکم دیا کہ ان کو چھوڑ دو جہاں چاہیں چلے جائیں رہا ہو کر مدینہ میں حضرت علی کے پاس آ گئے۔ حکیم بن جبلہ اور اس کے بہت سے ساتھی جو حضرت

عثمان کے خون میں شریک تھے مارے گئے۔

اس کے بعد اعلان عام کر دیا گیا کہ جس جس قبیلہ میں ایسے لوگ ہوں جو حضرت عثمان کے قتل میں شرکت رکھتے تھے پکڑ کر لائے جائیں۔ چنانچہ اس قسم کے بہت سے لوگ لائے گئے۔ ان میں سے جس جس کا جرم پایہ ثبوت کو پہنچ گیا وہ قتل کیا گیا۔

بصرہ سے کوفہ اور شام میں بھی خطوط بھیجے گئے کہ وہ لوگ بھی خلیفہ مظلوم کے قصاص کے مطالبہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔

واقعۂ جمل

حضرت علی شام پر لشکر کشی کی تیاری کر رہے تھے۔ لیکن جب بصرہ کے اجتماع کی خبر معلوم ہوئی تو پہلے اسی طرف رُخ کرنا مناسب سمجھا۔ مدینہ سے ایک انبوہ ان کے ساتھ چلا مقام ربذہ میں پہنچ کر چند آدمیوں کو کوفہ بھیجا کہ وہاں سے لوگوں کو مدد کے لئے لائیں۔ جب وہ لوگ کوفہ میں داخل ہوئے تو وہاں کے رؤسا ء والی کوفہ ابو موسیٰ اشعری کے پاس جمع ہوئے اور ان سے اس معاملہ میں مشورہ چاہا۔ انھوں نے کہا کہ یہ ایک ایسا فتنہ ہے کہ اس سے بالکل الگ رہنا چاہیئے اس میں جو سویا ہے وہ بیٹھے سے اور جو بیٹھا ہے وہ چلنے والے سے بہتر ہے۔ حضرت علی کے فرستادوں نے اپنی تقریروں میں ابو موسیٰ کی سخت مخالفت کی اور ان کو سخت و سست بھی کہا۔ سب کے بعد امام حسن نے لوگوں کو مخاطب کیا۔ اور ان کو نرمی کے ساتھ سمجھا کر کہا کہ خلیفہ کے حکم سے سرتابی نہ کرو اور جو مصیبت اس وقت نازل ہوئی ہے اس کے دفع کرنے میں ان کی امداد کرو ان کے سمجھانے سے لوگ چلنے کے لئے تیار ہو گئے اور کم و بیش نو ہزار آدمی دریا اور خشکی کی راہ سے گئے۔

بصرہ کے قریب پہنچ کر حضرت علی نے قعقاع بن عمرو کو ام المومنین کی خدمت میں بھیجا انھوں نے آکر دریافت کیا کہ آپ کا کیا مقصد ہے۔ ام المومنین نے فرمایا کہ اصلاح حضرت طلحہ اور زبیرؓ نے بھی یہی کہا۔ قعقاع نے پوچھا کہ اصلاح سے کیا مراد ہے فرمایا کہ خلیفہ

مقتول کا قصاص۔ کیونکہ قصاص نہ لینا قرآن کو پس پشت ڈالنا ہے۔ قعقاع نے کہا:۔

تم نے بصرہ کے باغیوں سے خود قصاص لینا شروع کیا۔ اگر اس اختیار کو اپنے ہاتھ میں نہ لیا ہوتا تو تمہارا دعویٰ زیادہ قوی ہوتا۔ تم نے یہاں کے ایک کم چھ سو آدمیوں کو جو حضرت عثمان کے خون میں شرکت رکھتے تھے قتل کیا جس کی وجہ سے چھ ہزار آدمی تمہارا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئے جب اس ایک یعنی حرقوص بن زہیر کو بھی تم نے پکڑنا چاہا تو وہی چھ ہزار اس کی حمایت کے لئے کھڑے ہو گئے اور آخروہ گرفتار نہ ہو سکا۔ لہٰذا اس سے قصاص لینا تم نے ترک کر دیا۔ کیا یہ قرآن کا پس پشت ڈالنا نہیں ہے جس بات کو خود چھوڑتے ہو اسی کا دوسروں سے مطالبہ کرتے ہو۔

میرے خیال میں اس فتنہ کا علاج صرف یہ ہے کہ سکون پیدا کیا جائے۔ اس کے بعد ہر قسم کی اصلاح ہو سکتی ہے اگر تم لوگ بیعت کرو گے تو امت کی بہتری کے لئے وہ ایک فال نیک ہوگی اور خلیفہ کے قاتلوں سے قصاص بھی مل جائے گا ورنہ باہمی خونریزی کی صورت میں وہ لوگ بچ جائیں گے اور امت مصیبت اور آفت میں مبتلا ہو جائے گی میں اللہ کا واسطہ دلا کر کہتا ہوں کہ یہ ایک آدمی یا ایک خاندان کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ساری امت کا ہے اس میں غور و فکر سے کام لیجئے اور ایسی روش اختیار کیجئے کہ نہ ہم مصیبت میں پڑیں نہ آپ اور نہ یہ امت جو اس وقت حوادث کے تیروں کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔

قعقاع کی تقریر سب لوگوں نے پسند کی اور کہا کہ تمہاری باتیں نہایت مناسب اور درست ہیں۔ اگر حضرت علی کا یہی خیال ہے جو تم نے ظاہر کیا تو مصالحت بہت آسان ہے۔

قعقاع نے واپس آکر تمام ماجرا حضرت علی کو سنایا۔ وہ خوش ہوئے۔ دوسرے دن صبح کو بصرہ کی طرف چلے۔ اور حکم دیا کہ ہمارے لشکر میں جو لوگ اس قسم کے ہیں کہ انھوں نے حضرت عثمان کے قتل میں کسی قسم کی اعانت کی ہے یہیں رہ جائیں اور ساتھ نہ چلیں یہ سن کر عبداللہ بن سبا نے اپنی جماعت کے لوگوں سے کہا کہ ساتھ ساتھ لگے رہو۔ اور جب

دونوں فریق ملیں تو فوراً جنگ شروع کردو۔ مصالحت کا موقع کسی طرح پر نہ آنے دو۔

حضرت علی بصرہ کے متصل فروکش ہوئے۔ دونوں طرف سے سفیروں کی آمد و رفت شروع ہوئی اور صلح کی کل باتیں طے ہو گئیں۔ رات کو لوگ اطمینان کے ساتھ سوئے اُن کو یقین تھا کہ صلح میں اب کسی قسم کا شبہ نہیں لیکن طلوع فجر سے پیشتر ہی سبائی فرقہ نے بصرہ کی جمعیت پر ایک جانب سے حملہ کر دیا۔ حضرت طلحہ اور زبیر نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیسا ہنگامہ ہے معلوم ہوا کہ کوفیوں نے جنگ شروع کر دی ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ تو ہمارا پہلے ہی سے گمان تھا کہ حضرت علی بلا خونریزی کئے ہوئے نہیں مانیں گے۔

ادھر حضرت علی نے بھی لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیسی شورش ہے۔ سبائیوں جوان کے ساتھ لگے رہتے تھے فوراً جواب دیا کہ اہل بصرہ نے رات کو ہمارے اوپر چڑھائی کی۔ ہم نے ان کو پیچھے دھکیلا۔ وہاں سواروں نے حملہ کر دیا۔ پھر ادھر سے بھی لوگ پہنچ گئے حضرت علی یہ سن کر کہنے لگے کہ میں تو پہلے ہی سے جانتا تھا کہ طلحہ اور زبیر بلا جنگ کئے ہوئے نہیں رہیں گے۔

اب فریقین میں جنگ عام شروع ہوئی۔ ادھر سے حضرت علی سوار ہو کر نکلے اور ادھر سے حضرت عائشہ اونٹ پر ہودج میں بیٹھ کر میدان میں نمودار ہوئیں۔

یہ پہلا دن تھا کہ مسلمانوں کی دو جماعتیں باہمی خونریزی کے لئے تلواریں کھینچ کر آمنے سامنے آئیں۔

نہایت سخت جنگ ہوئی۔ بصرہ کے اکثر رؤسا ام المومنین کے اونٹ کے ارد گرد محافظت کے خیال سے آکر جمع ہو گئے۔ وہاں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ خود ہودج میں اس قدر تیر آکر لگے تھے کہ دور سے وہ کانٹوں کا ایک گچھا معلوم ہوتا تھا۔

حضرت علی نے جب دیکھا کہ اس طرح لڑائی کا خاتمہ نہیں ہو سکے گا تو حکم دیا کہ اونٹ کا پاؤں کاٹ دیا جائے۔ جب وہ گر پڑا تو اہل بصرہ شکست کھا گئے۔ محمد بن ابی بکر اور

عمار بن یاسر نے اُکر ہودج کی رسیاں کاٹیں اور اس کو اٹھا کر لشکر سے الگ لے جا کر رکھا۔ اس کے بعد حضرت عائشہ کو بصرہ میں لے گئے۔

اس جنگ میں طرفین سے تقریباً دس ہزار آدمی مارے گئے۔ جن میں حضرت طلحہ اور ان کے بیٹے محمد اور عبدالرحمن بن عتاب وغیرہ نامور ان قریش شامل تھے حضرت زبیر مدینہ کی طرف چل نکلے۔ عمرو بن جرموز نے جو ان کے پیچھے لگا تھا وادی سباع میں پہنچ کر ان کو تیر سے ہلاک کر ڈالا۔

مقتولین کو دفن کرانے کے بعد حضرت علی نے بصرہ میں قیام کیا۔ اس کے بعد ام المومنین کی خدمت میں گئے۔ ان سے گفتگو کی اور ان کی مدینہ کی روانگی کا سامان کیا جس دن وہ روانہ ہوئیں خود بصرہ سے ان کے ساتھ نکلے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا:۔

مجھ میں اور علیؓ میں بجز ان شکوؤں کے جو باہم رشتہ داروں میں ہوا کرتے ہیں اور کسی قسم کی عداوت یا دشمنی نہیں تھی۔ اور میں باوجود ناراضی کے ان کو بہترین لوگوں میں سمجھتی ہوں۔

حضرت علی نے کہا کہ:۔

ام المومنین نے بالکل سچ فرمایا۔ مجھ میں اور ان میں کوئی سابقہ رنجش نہیں تھی۔ ان کا رتبہ بہت بڑا ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح دنیا میں بیوی تھیں اسی طرح آخرت میں بھی ہوں گی۔

بصرہ سے ان کی روانگی یکم رجب ۳۶ھ کو ہوئی کئی میل تک خود حضرت علیؓ ساتھ تھے۔ امام حسن اور حسین ایک منزل تک آئے اور محمد بن ابی بکر مدینہ تک ساتھ رہے۔

جب سکون ہو گیا تو حضرت علی نے اہل بصرہ سے بیعت لی۔ وہاں کی امارت کے عہدہ پر عبداللہ بن عباس اور خراج کی تحصیل پر زیاد بن ابی سفیان کو مقرر فرمایا۔

یہ جنگ جس نے آئندہ کے لیے مسلمانوں میں باہمی خونریزی کا دروازہ کھول دیا۔

اس کی ذمہ داری سے فریقین میں سے کوئی بھی بہمہ وجوہ بری نہیں کیا جاسکتا حضرت عائشہ طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم خلیفہ مقتول کے خون کا دعویٰ لے کر کھڑے ہوئے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ قصاص لینے کا حق صرف امام کو حاصل ہے۔ اگر اس الزام پر کہ امام کسی شرعی حد میں کوتاہی کرتا ہے۔ دوسرے روٴساء امت اس حق کو اپنے ہاتھ میں لینے لگیں تو اسلامی نظام کی بنیاد ہی مٹ جائے گی۔ اس لئے حیرت ہوتی ہے کہ کس اختیار سے انھوں نے اہل بصرہ سے خود قصاص لینا شروع کر دیا۔

علاوہ بریں ایک طرف تو وہ حضرت علی کی امامت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ دوسری طرف خود انھیں سے مطالبہ کرتے تھے کہ قصاص لیں۔ حالانکہ ایسی صورت میں ان کا مطالبہ صرف یہ ہونا چاہیئے تھا کہ ارباب حل و عقد پہلے امامت کا فیصلہ کردیں۔ اقامت حد کا سوال اس کے بعد کا تھا۔

ادھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اتنے صبر و تحمل سے کام نہیں لیا کہ اس رخنہ کو بہتر طریقہ سے بلا خونریزی کے بند کرتے۔ مدبر کی صفت یہ ہے کہ مشکلات کو حسن تدبیر سے حل کرلے۔ اور تلوار صرف اس وقت اٹھائے جب کوئی چارہ کار باقی نہ رہے۔

اس میں شک نہیں کہ ان سبائی شیاطین نے جو مصالحت کے دشمن تھے اپنی عیاری سے امت کو جنگ میں پھنسا دیا۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایسے وقت میں جبکہ چاروں طرف سے امت قصاص کا مطالبہ کر رہی ہو ایسے لوگوں کو اپنی فوج میں رکھنا جن کو باہمی مصالحت سے اپنا نقصان نظر آتا ہو مصلحت کے خلاف تھا کیونکہ وہ بالطبع ہر قسم کے اتفاق اور آشتی میں رخنہ انداز ہوں گے۔

نیز یہ امر بھی اصول لشکر کشی کے مطابق سپہ سالار کے لئے ایک الزام ہے کہ اس کی فوج کی کوئی جماعت اس کی نیت کے خلاف اس کو جنگ پر مجبور کردے۔

جنگ صفین:- جمل کی لڑائی دراصل دیباچہ تھی ایک اس سے بھی دردناک جنگ

کا جو صفین کے میدان میں ہونے والی تھی۔

حضرت علی نے بصرہ سے کوفہ میں آکر جریر بن عبداللہ بجلی کو امیر معاویہ کے پاس بیعت کے لئے بھیجا۔ انھوں نے دمشق پہنچکر اپنے آنے کی غرض بیان کی۔ امیر معاویہ نے کچھ جواب نہیں دیا۔

شام کے سرداروں اور سپاہیوں نے یہ قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک خلیفہ مقتول کا قصاص نہ لیں گے اس وقت تک نہ فرش پر سوئیں گے اور نہ اپنی بیویوں سے ملیں گے اور شام اسلامی فوج کا بہت بڑا مرکز تھا۔ رومیوں کے مقابلہ کی وجہ سے وہاں کی فوج جنگ میں مشاق اور ساز و سامان سے آراستہ تھی اور امیر معاویہ جو اسلامی امراء میں سب سے بڑے سیاسی مدبر تھے ایک مدت سے ان کے اوپر حکومت کرتے چلے آتے تھے اور ان کے دلوں پر پورا قابو حاصل کئے ہوئے تھے۔

اس عظیم الشان طاقت کی وجہ سے انھوں نے حضرت علی کی بیعت سے انکار کیا اور ان پر یہ الزام بھی لگایا کہ وہ خود خلیفہ مظلوم کے قتل میں شریک یا یہ کہ کم از کم ان کے قاتلوں کے حامی ہیں۔

جریر بن عبداللہ نے واپس آکر حضرت علی کو شام کی کیفیت سنائی۔ اب ان کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ لشکر کشی کریں۔ اس لئے فوج لیکر نکلے اور مقام نخیلہ میں قیام کیا۔ امیر معاویہ کو جب اس کا علم ہوا تو وہ بھی شامی فوجوں کو لے کر روانہ ہوئے۔

حضرت علی جزیرہ کے راستہ سے رقہ پہنچے۔ وہاں دریائے فرات کو عبور کیا جب آگے بڑھے تو شامی فوجیں سامنے آگئیں دونوں لشکروں کے طلایوں میں ایک خفیف سی جنگ ہو کر رک گئی۔ اس کے بعد فریقین ایک دوسرے کے بالمقابل خیمہ زن ہو گئے۔

حضرت علی نے بشیر بن عمرو انصاری سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی تمیمی کو امیر معاویہ کے پاس بھیجا۔ جب یہ لوگ ان کے خیمہ میں پہنچے تو بشیر نے کہا کہ :-

اے معاویہ! دنیا فانی ہے۔ تم کو اللہ کے سامنے جانا ہے اور وہاں اپنے عمل کا حساب دینا ہے۔ میں تم کو اللہ کا واسطہ دلا کر کہتا ہوں کہ امت میں تفریق نہ ڈالو اور مسلمانوں کا خون بہانے سے پرہیز کرو۔

امیر معاویہ نے کہا کہ تم نے یہ وعظ حضرت علی کو کیوں نہیں سنایا۔ انھوں نے کہا کہ وہ سابقین اولین میں سے ہیں اور اپنے فضائل اور آنحضرتؐ کے ساتھ قرابت قریبہ رکھنے کی وجہ سے کل مسلمانوں سے زیادہ امامت کے مستحق ہیں۔ آپ بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیجیے تاکہ امت کا شیرازہ نہ ٹوٹے۔

امیر معاویہ نے کہا کہ خلیفہ مظلوم کا خون کہاں جائے گا۔ کیا ہم اس کو بلا قصاص کے چھوڑ دیں۔ اس پر شیث بن ربعی کھڑے ہوئے اور امیر معاویہ کو مخاطب کر کے کہا کہ :۔

تم نے جو کچھ کہا اس سے ہم تمہارا مطلب سمجھ گئے جس غرض کے لئے تم لڑنا چاہتے ہو وہ ہم سے مخفی نہیں ہے۔ تم نے لوگوں کو برگشتہ کرنے کے لئے یہ دعویٰ اٹھایا ہے کہ خلیفہ کا قتل ناجائز تھا۔ اس لئے ان کے قصاص کا مطالبہ کرنا چاہیئے ہم کو خوب معلوم ہے کہ تم خود چاہتے تھے کہ وہ مارے جائیں۔ تاکہ تم کو خلافت حاصل کرنے کا موقع مل سکے اور یہی وجہ تھی کہ تم نے قصداً ان کی امداد میں دیر لگائی۔ لیکن یہ بات یاد رکھو کہ ہر شخص اپنی آرزو میں کامیاب نہیں ہوا کرتا۔ اگر تم ناکام رہے تو تم سے بڑھ کر کوئی بدبخت نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کامیاب بھی ہو گئے تو مسلمانوں کی خونریزی کی بدولت جہنم کی آگ سے نہیں بچ سکتے۔ لہٰذا دونوں صورتیں تمہارے حق میں بری ہیں اس لئے اللہ کا خوف کر کے اس تفریق سے باز رہو اور جو شخص امامت کا مستحق ہے اس کی مخالفت نہ کرو۔

اس سخت گفتگو کا جواب امیر معاویہ کی طرف سے بھی سخت دیا گیا اور یہ سفارت ناکام واپس آئی۔

لڑائی شروع ہوئی مسلمانوں کا دل آپس میں لڑتے ہوئے دکھتا تھا نیز وہ ڈرتے تھے

کہ باہمی خونریزی سے اسلامی قوت فنا ہو جائے گی۔ اس لئے فریقین میں سے ایک ایک دستہ نکل کر کبھی کبھی جنگ آزمائی کر لیتا تھا۔ اسی طرح ذی حجہ کا سارا مہینہ گذر گیا جب محرم ۳۷ھ شروع ہوا تو ایک مہینہ کے لئے لڑائی ملتوی ہو گئی امید تھی کہ اس درمیان میں مصالحت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے گی۔

حضرت علی نے عدی بن حاتم طائی، یزید بن قیس، زیاد بن خصفہ اور شیث بن ربعی کو جو پہلی بار بھی گئے تھے اور جن کی سخت کلامی سے بے نیل مرام واپس آنا پڑا تھا امیر معاویہ کے پاس بھیجا۔ پہلے عدی نے تقریر کی۔

ہم تمہارے پاس ایک درخواست لے کر آئے ہیں اگر تم اسے منظور کر لوگے تو امت میں اتحاد و اتفاق قائم ہو جائے گا اور باہمی خونریزی نہ ہوگی۔ وہ یہ ہے کہ حضرت علی کو ان کے فضائل کی وجہ سے تمام امت نے بالاتفاق خلیفہ تسلیم کر لیا ہے صرف ایک تم اور تمہارے ساتھی ایسے باقی رہ گئے ہیں جنھوں نے بیعت نہیں کی ہے لہٰذا تم بھی اس میں شریک ہو جاؤ اور تفریق سے باز رہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا بھی وہی حال ہو جو جمل والوں کا ہوا۔

امیر معاویہ نے کہا کہ تم مصالحت کے لئے آئے ہو یا دھمکانے کے لئے؟ میں حرب کا بیٹا ہوں، جنگ سے نہیں ڈرتا۔ عدی! مجھے خوب معلوم ہے کہ تم بھی عثمان کے قاتلوں کے ساتھ شریک تھے۔ انشاءاللہ انھیں ظالموں کے ساتھ قتل بھی کئے جاؤ گے۔

یزید بن قیس نے کہا کہ:۔

ہم صرف اس لئے آئے ہیں کہ وہاں کا پیغام یہاں پہنچا دیں اور جو جواب ملے اس کو جا کر سنا دیں لیکن اس ضمن میں آپ کے فائدے کی جو باتیں ہیں خیر طلبی کے خیال سے اُن کو بھی خدمت میں عرض کر دیں۔

حضرت علی جس درجہ اور رتبہ کے آدمی ہیں آپ جانتے ہیں۔ امت اسلامیہ ان کے

ہوتے ہوئے کسی شخص کو خلافت کے لئے قبول نہیں کر سکتی ہم نے ایسا متقی دنیا سے بے تعلق اور اخلاق حسنہ کا جامع کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا۔ اس لئے ان کی مخالفت آپ کو نہیں کرنی چاہیئے۔ ورنہ جماعت کی تفریق کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔

امیر معاویہ نے کہا کہ :۔

جس کو تم جماعت کہتے ہو وہ ہمارے ساتھ ہے (علی رضی اللہ عنہ) کی اطاعت کو ہم جائز نہیں سمجھتے۔ انھوں نے ہمارے خلیفہ کو قتل کیا۔ امت میں تفریق ڈالی۔ قاتلوں کو اپنے پاس پناہ دی۔

اگر تم یہ کہو کہ انھوں نے خلیفہ کو نہیں قتل کیا تو ہم اس کی تردید نہیں کریں گے بشرطیکہ وہ ان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیں۔ ہم ان سے قصاص لے کر پھر تمھاری بات مان لیں گے۔

شبث بن ربعی نے کہا کہ :۔

معاویہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم عمار بن یاسر کو تمھارے حوالہ کر دیں اور تم ان کو قتل کر دو۔

امیر معاویہ نے کہا کہ بے شک! میں تو ان کو حضرت عثمانؓ کے غلام نائل کے قصاص میں قتل کر دوں گا۔ حدود شرعیہ میں کیا رعایت۔ شبث نے جواب دیا کہ یہ تو اس وقت تک ممکن نہیں ہے کہ جب تک ہزاروں آدمیوں کے سر ان کے کندھوں پر سے نہ اڑ جائیں اور سطح زمین باوجود اس وسعت کے تمھارے لئے تنگ نہ ہو جائے۔

امیر معاویہ نے کہا کہ اگر ایسا ہوا تو سطح زمین بہ نسبت میرے تمھارے لئے زیادہ تنگ ہو جائے گی پہلی سفارت کی طرح اس کا بھی کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ بلکہ فریقین کے دلوں میں اور نفرت بڑھ گئی۔

امیر معاویہ کی طرف سے حبیب بن مسلمہ، شرحبیل بن سمط، معن بن یزید اور اخنس بن شریق حضرت علی کے پاس گئے۔ حبیب نے کہا کہ :۔

عثمان بن عفان خلیفہ برحق تھے اور کتاب و سنت پر عمل کرتے تھے۔ آپ لوگوں نے ان کو

قتل کر ڈالا۔ اگر آپ ان کے قتل میں شریک نہیں تھے تو ان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیجئے ہم ان سے قصاص لیں اور آپ خلافت چھوڑ دیں امت مشورہ عام سے جس کو چاہے گی خلیفہ منتخب کرے گی۔

حضرت علیؓ نے بگڑ کر کہا کہ چپ رہو۔ تم کو یہ کہنے کا کہاں سے حق حاصل ہے کہ خلافت چھوڑ دو۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔

حبیب نے کہا پھر میں ہوں اور میدان۔ حضرت علی نے فرمایا کہ تم اور تمھارا سارا لشکر جاؤ جو کچھ ہو سکے میرے مقابلہ کے لئے کرو۔

شرجیل نے کہا کہ میں بھی اگر کہوں گا تو وہی کہوں گا جو حبیب نے کہا کیا اس کے سوا کوئی دوسرا جواب آپ دیں گے؟

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہاں!! پھر ایک طویل تقریر کی اللہ و رسول کے ذکر کے بعد خلافت کا بیان شروع کیا اور کہا کہ:۔

جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہو گئے پھر انھوں نے اپنی وفات کے وقت حضرت عمرؓ کو ولی عہد کر دیا یہ دونوں عادل اور نیک سیرت تھے ہم کو ان سے صرف یہ شکایت تھی کہ ہم رسول اللہ صلعم کے قریبی رشتہ دار تھے ہمارے ہوتے ہوئے خلافت ان کا منصب تھا مگر ان کی خوبیوں کی وجہ سے ہم خاموش رہے اور اس شکایت سے درگزرے جب عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو ان سے چند امور ایسے سرزد ہوئے جن کی وجہ سے بہت سے لوگ ان کے خلاف ہو گئے اور ناراضی یہاں تک بڑھی کہ ان کو قتل کر ڈالا۔ ان کے بعد میرے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہی میں نے انکار کیا مگر لوگوں نے اصرار کیا اور کہا کہ امت تمھارے سوا کسی دوسرے شخص کو منظور نہیں کر سکتی اور اگر تم بیعت نہیں لو گے تو مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ ناچار میں اس کے لئے تیار ہو گیا پہلے وہ دونوں شخص (حضرت طلحہ اور زبیرؓ) باوجود بیعت کر لینے کے میرے مقابلہ

میں آئے اور اب معاویہ مخالفت پر آمادہ ہیں جو سابقین تو کجا مہاجرین میں سے بھی نہیں ہیں نہ اسلام کی خدمت میں ان کا کوئی کارنامہ ہے بلکہ وہ اور ان کے باپ برابر اللہ و رسول کی دشمنی کرتے رہے اور فتح مکہ کے دن مجبوراً اسلام میں داخل ہوئے۔

ان سے اس مخالفت کو میں بعید نہیں سمجھتا لیکن مجھکو حیرت اس بات پر ہے کہ تم لوگ کیوں ان کا ساتھ دے رہے ہو۔ اپنے نبی کے قریبی رشتہ داروں کو چھوڑتے ہو اور ان کی اطاعت سے منہ موڑتے ہو۔ میں تم کو کتاب اور سنت کی طرف بلاتا ہوں اور بس۔ ہمارا کام یہ ہے کہ باطل کو مٹائیں اور حق کا ساتھ دیں۔

شرحبیل نے کہا کہ حضرت عثمان کا قتل ظلم تھا جو شخص ان کے قاتلوں سے قصاص نہ لے بلکہ ان کو پناہ دے ہم اس سے بری ہیں۔ اس کے بعد سب لوگ اٹھ کر چلے آئے اور یہ سفارت بھی بے نتیجہ رہی۔

ماہ محرم کے گزر جانے کے بعد حضرت علی نے اپنی فوج میں اعلان کرا دیا کہ مخالفین کو ہم نے ہر طرح پر سمجھایا اور حق کی طرف بلایا لیکن وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے اسی لئے اب سوائے جنگ کے کوئی صورت باقی نہیں رہی۔

رات بھر دونوں فریق صبح کی جنگ کیلئے تیاری کرتے رہے یکم صفر ۳۷ھ کو لڑائی شروع ہوئی لیکن روزانہ ایک دو دستے اِدھر اُدھر سے نکل کر خفیف مقابلہ کر کے واپس چلے آتے تھے۔ ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا۔ آٹھویں روز حضرت علی نے عام حملہ کا حکم دیا۔ فریقین پوری قوت کے ساتھ میدان جنگ میں آگئے اور ہولناک جنگ شروع ہوئی۔ یہی وہ نامبارک تاریخ تھی جس میں اسلامی الفت اور اخوت کا شیرازہ ٹوٹ گیا اور امت کی طاقت اور شوکت کو سخت صدمہ پہنچ گیا۔

دن بھر معرکۂ کارزار گرم رہا۔ شام کو عراقی اور شامی دونوں فریق غیر مغلوب واپس آئے۔ دوسرے دن پھر جنگ ہوئی شامیوں کے پیاپے حملوں سے عراقیوں کے میمنہ نے شکست کھائی حضرت علی نے میسرہ کو اپنا قرارگاہ بنایا۔ وہاں سے بھی اہل مصر تاب نہ لا کر بھاگے۔ حضرت علیؓ

نے اشتر سے کہا کہ ان لوگوں سے کہو کہ موت سے بھاگ کر کہاں جاتے ہو۔ اشتر کے جوش دلانے سے مصری پھر پلٹے۔ اور ایسا سخت حملہ کیا کہ شامیوں کی صفیں الٹ دیں عصر کے وقت قلب تک بڑھ گئے۔ اشتر تو بالکل امیر معاویہ کے محافظوں تک پہنچ گئے۔ امیر معاویہ نے بھاگنے کا ارادہ کیا لیکن کچھ سوچ کر رک گئے۔ نہایت خونریز جنگ ہوئی اسی میں عمار بن یاسرؓ مقتول ہوئے۔ شام کو بھی لڑائی بند نہ ہوئی بلکہ قادسیہ کی طرح رات بھر دونوں فریق مصروف پیکار رہے۔ صبح کے وقت اشتر نے شامیوں کے میمنہ پر حملہ کیا۔ حضرت علی سلسلہ داران کی مدد کے لئے دستے پر دستے بھیجتے تھے اور وہ شامیوں کو دباتے ہوئے برابر آگے بڑھ رہے تھے کہ یکایک نیزوں پر قرآن اٹھا کر اہل شام پکارنے لگے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان میں کتاب اللہ ہے اہل عراق اگر فنا ہو گئے تو مشرقی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا۔ اور شامی مٹ گئے تو مغربی حملوں کی مدافعت کے لئے کہاں سے لوگ آئیں گے۔

عراقیوں نے قرآن دیکھ کر ہاتھ روک لیا۔ اور کہا کہ ہم کو کتاب اللہ کا فیصلہ منظور ہے حضرت علی نے کہا کہ اللہ کے بندو! تم حق پر ہو اپنا ہاتھ نہ روکو فتح میں اب دیر نہیں ہے معاویہ، عمرو بن عاص، ابن ابی معیط، حبیب بن مسلمہ، ابن ابی سرح اور ضحاک بن قیس ان سب کو میں بچپن سے جانتا ہوں۔ لڑکوں میں یہ سب سے برے لڑکے تھے۔ اور جوانوں میں بدترین جوان۔ انھوں نے یہ قرآن اس نیت سے ہرگز نہیں اٹھائے ہیں کہ اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں بلکہ یہ ان کی ایک چال ہے جس سے تم کو فریب دینا چاہتے ہیں کہ تم لڑائی سے باز رہو۔

اہل عراق بولے کہ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی کتاب اللہ کی طرف بلائے اور ہم انکار کر دیں مسعر بن فدکی اور اس کے ہمراہیوں نے کہا کہ آپ کتاب اللہ کے فیصلہ کو منظور کیجئے۔ ورنہ ہم ساتھ چھوڑ دیں گے۔

اشتر ابھی تک شامیوں کو دھکیلتے آگے بڑھے چلے جاتے تھے۔ لوگوں نے حضرت علیؓ

سے کہا کہ ان کو واپسی کا حکم دیجئے انہوں نے کہلا بھیجا لیکن اشتر نے جواب دیا کہ یہ واپسی کا وقت نہیں ہے۔ فتح قریب آگئی ہے۔ عراقیوں نے حضرت علی سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے درپردہ لڑائی کا حکم دے رکھا ہے اگر واپس نہیں بلاتے تو آپ کے ساتھ بھی وہی معاملہ کریں گے جو ہم نے عثمان کے ساتھ کیا حضرت علی نے پھر اشتر کے پاس حکم بھیجا کہ جلد آجاؤ ادھر فتنہ برپا ہوگیا مجبوراً ان کو میدان چھوڑ کر واپس آنا پڑا۔

جب لڑائی بند ہوگئی تو حضرت علی نے اشعث بن قیس کو بھیجا کہ معاویہ کا مقصد دریافت کریں۔ امیر معاویہ نے ان سے کہا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایک پنچ تمہاری طرف سے اور ایک پنچ ہماری طرف سے مقرر ہو وہ دونوں کتاب اللہ کی رو سے ہماری اور تمہاری نزاع کا فیصلہ کریں اور ہر فریق ان کے فیصلہ پر رضامند ہو جائے اشعث نے کہا کہ یہ بہت معقول تجویز ہے وہاں سے واپس آکر حضرت علی کو اس کی اطلاع دی۔ عراقیوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ یہ صورت نہایت مناسب ہے۔

اشعث وغیرہ رؤساء عراق نے اپنی طرف سے ابوموسیٰ اشعری امیر کوفہ کو پنچ منتخب کیا حضرت علی کو معلوم تھا کہ وہ ان کے موافق نہیں ہیں وہ عبداللہ بن عباس کو مقرر کرنا چاہتے تھے اس لئے بہت اصرار کے ساتھ کہا کہ تم لوگوں نے پہلے میری خلاف ورزی کی اور جنگ کو بند کردیا۔ مگر اس میں مخالفت نہ کرو۔ لیکن عراقیوں نے عبداللہ بن عباس کو پسند نہ کیا اور کہا کہ وہ اور آپ تو ایک ہی ہیں۔

اہل شام کی جانب سے عمرو بن عاص مقرر ہوئے۔

ثالثی نامہ

دونوں پنچوں نے فریقین سے عہد لکھوایا کہ جو فیصلہ ہم کتاب اللہ کی رو سے کریں گے وہ اس کو مانیں گے اور جو نہ مانے گا اس کے مقابلہ میں ہماری مدد کریں گے تا فیصلہ جنگ بند رہے گی۔ فریقین آزادی کے ساتھ جہاں چاہیں آئیں جائیں۔ پنچوں سے یہ پیمان لیا گیا کہ

نیک نیتی سے امت کی مصلحت کو پیش نظر رکھ کر معاملہ کو طے کریں گے اور امت میں باہمی جنگ اور تفریق نہ پیدا ہونے دیں گے۔ فیصلہ کی میعاد رمضان کے مہینہ میں رکھی گئی اور پنچوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر مزید مدت کی ضرورت سمجھیں تو اور بھی تاخیر کر سکتے ہیں۔ ان کو جس شخص کی شہادت کی ضرورت ہو گی وہ ان کے طلب کرنے پر بلا دیا جائے گا اور شہادتیں قلمبند کی جائیں گی جو متفقہ فیصلہ ہو گا اس پر فریقین کو عمل کرنا ہو گا۔ فیصلہ کا مقام شام اور عراق کے وسط میں رہے۔ اگر پنچ یہ چاہیں گے کہ ان کے فیصلہ کے وقت مجمع عام نہ ہو تو صرف خاص خاص اشخاص کو اس موقع کے لئے طلب کر لیں اگر قضاء الٰہی سے کوئی پنچ قبل از فیصلہ گذر جائے تو اس کے بجائے اس کا فریق دوسرے شخص کو منتخب کر کے بھیج دے گا یہ عہد نامہ ۱۳ ار صفر ۳۷ھ میں لکھا گیا اور فریقین کے نام ثبت کئے گئے۔

اس طرح پر اس تباہ کن جنگ کا خاتمہ ہوا جس میں نوے ہزار جانباز مسلمان مقتول ہو گئے۔ یہ وہ تعداد ہے کہ عہد نبوی سے لے کر اس واقعہ تک جس قدر فتوحات ہوئی تھیں ان سب میں ملا کر بھی اتنے مسلمان کام نہ آئے تھے۔

حضرت علیؑ اور امیر معاویہ کے حالات کا غور سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ طرفین کے خیالات میں بے حد تباین تھا حضرت علی ذاتی فضیلت سابقہ اسلامی و قرابت رسول کی وجہ سے اپنی حق خلافت کو اس قدر مرجح سمجھتے تھے کہ ان کے خیال میں شیخین نے بھی دیدہ و دانستہ اس کو نظر انداز کیا تھا اور معاویہ کو تو وہ طلیق بن طلیق سمجھتے تھے جنہوں نے ہمیشہ رسول اللہ کی دشمنی کی اور فتح مکہ کے بعد مجبوراً اسلام میں داخل ہوئے۔ ایسی حالت میں یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ان کے مطالبہ کی وجہ سے خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔

ادھر معاویہ اپنے آپ کو مکہ کے سب سے بڑے رئیس ابوسفیان کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے قریش کا ایک بڑا رکن سمجھتے تھے۔ خلفاء سابقین کے عہد میں وہ معتمد علیہ سمجھے اور عزت و شوکت کے ساتھ اس صوبہ کے والی تھے جو رومیوں کے مقابلہ کی وجہ سے اسلامی

ممالک میں خاص اہمیت رکھتا تھا۔ انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت علی کی خلافت میرے لئے موجب اہانت ہو گی۔ کیونکہ سب سے پہلا کام جو انھوں نے کیا وہ میری معزولی تھی اس لئے مخالفت پہ آمادہ ہو گئے۔ اور ان کو ایسے چند شبہات بھی نظر آئے جن سے اس مخالفت کی گنجائش مل گئی۔ انھوں نے کہا:۔

(۱) حضرت علی ان باغیوں کے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں جنھوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا۔

(۲) اکثر صحابۂ کبار نے جو مدینہ میں موجود تھے ان کی بیعت سے انکار کیا۔

(۳) وہ امرار ور وسار امت داعیان قریش جو مدینہ سے باہر تھے اس بیعت میں نہیں شریک ہوئے نہ ان سے مشورہ لیا گیا۔

(۴) انھوں نے خلیفہ مظلوم کے قاتلوں کو جو باغی ہیں اور جن سے قصاص لینا فرض ہے اپنے لشکر میں پناہ دی ہے اور عہدے دے رکھے ہیں۔

ایسے دو شخص جو ایک دوسرے کو اس نظر سے دیکھتے ہوں کیونکر باہم صلح کر سکتے تھے۔

علاوہ بریں دونوں طرف سے جو سفیر آئے گئے انھوں نے بھی عقل سے کم اور جذبات سے زیادہ کام لیا۔ کسی نے کوئی ایسا طریقہ نہیں سوچا جس پہ دونوں فریق متفق ہو جاتے اور امت کے سر سے یہ وبال ٹل جاتا۔

ان سب پر مزید یہ کہ عراقی فوج میں سبائی جماعت موجود تھی جو کسی طرح پر باہمی مصالحت کو پسند نہیں کرتی تھی بلکہ ایسی صورتیں نکالتی تھی جن سے جنگ کی آگ مشتعل ہو جائے۔

خوارج

عہد نامہ ثالثی کے لکھے جانے کے بعد امیر معاویہ اپنی فوج لے کر دمشق کو روانہ ہو گئے ادھر عراقیوں میں جس وقت اشعث بن قیس اس عہد نامے کو سنانے کے لئے نکلے تو بنی تمیم کے ایک سردار عروہ بن ادیہ نے کہا کہ قرآن کے فیصلہ میں تم نے آدمیوں کو کیوں ثالث مانا ہم سوائے

اللہ کے کسی کا حکم نہیں مانیں گے۔ اور پھر تلوار کھینچ کر اشعث پر وار کیا۔ ان کے گھوڑے پر ضرب آئی یہ دیکھ کر ان کے اہل قبیلہ بھی آ کر جمع ہو گئے۔ قریب تھا کہ باہم کشت و خون ہو جائے لیکن لوگوں نے بیچ میں پڑ کر روک دیا جب فوج وہاں سے روانہ ہوئی تو راستہ میں بھی ان میں جھگڑے جاری رہے۔

اہل عراق جس وقت کوفہ سے نکلے تھے سب متحد اور متفق تھے۔ لیکن جب صفین سے واپس ہوئے تو باہم دشمن اور مخالف تھے۔ ہر ہر منزل میں ان میں لڑائی اور بد زبانی ہوتی تھی اور کبھی کوڑوں سے مار پیٹ بھی ہو جاتی تھی۔

خوارج کہتے تھے کہ تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم میں مداہنت کی شیعہ جواب دیتے تھے کہ تم نے امام کا ساتھ چھوڑ دیا۔ جب کوفہ کے قریب آئے تو بارہ ہزار آدمی فوج سے الگ ہو کر مقام حروراء میں جا کر خیمہ زن ہوئے اور اعلان کیا کہ ہمارا امیر شبث بن ربعی ہے۔

یہ وہی شخص ہے جو حضرت علی کی طرف سے سفیر بن کر امیر معاویہ کے پاس گیا تھا اور ان سے سختی کے ساتھ پیش آیا تھا کہ کیوں حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے۔

عبداللہ بن عباس ان کی فہمائش کے لئے بھیجے گئے ان لوگوں نے ان کے ساتھ بحث شروع کر دی۔ پھر حضرت علی بھی پہنچ گئے اور پوچھا کہ تم لوگ کیوں ہماری جماعت سے خارج ہو گئے۔

خوارج۔ اس لئے کہ آپ نے اللہ کے حکم میں انسانوں کو ثالث بنایا۔

حضرت علی۔ کیا میں نے تم کو پہلے اس ثالثی کے قبول کرنے سے منع نہیں کیا تھا؟ تم لوگوں نے تو خود اصرار کر کے مجھے اس پر مجبور کیا۔

علاوہ بریں پنچوں سے یہ شرط کی گئی ہے کہ قرآن کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ لہذا قرآن کے حکم پر چلنے میں کیا قباحت ہے؟

خوارج مسلمانوں کے خون کے معاملہ میں اشخاص کو ثالث بنانا کہاں سے روا ہے؟

حضرت علیؓ۔ ہم نے اشخاص کو کب حکم مانا ہے۔ ہمارا فیصلہ تو قرآن پر ہے۔ اشخاص اس کی رو سے حکم دیں گے۔

خوارج۔ پھر اس فیصلہ کے لئے مدت مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

حضرت علی۔ تاکہ اتنے عرصہ میں امت اس سے واقف ہو جائے لوگوں کو غور و فکر کا موقع مل سکے اور صحیح راستہ پر آجائیں۔ میں کہتا ہوں کہ جو کچھ ہوا ہے وہ بے جا نہیں ہوا ہے تم لوگ ہمارے ساتھ شہر میں چلو اپنے اپنے گھروں میں قیام کرو۔

خوارج۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ اس معاملہ میں ہمارا ثالثی قبول کرنا کفر تھا ہم اس کفر سے توبہ کرتے ہیں۔ آپ بھی اگر تائب ہو جائیں تو ہم ساتھ چلنے کے لئے تیار ہیں۔

حضرت علیؓ۔ صرف چھ مہینہ کی بات ہے۔ شہر میں چلو اس درمیان میں خراج کی وصولی بھی ہو جائے گی اور سواریاں فربہ اور توانا ہو جائیں گی۔ اس کے بعد دشمن کے مقابلے کے لئے نکلیں گے۔

الغرض بڑی مشکلوں سے ان کو کوفہ میں لائے۔

اس فرقہ کے نظریہ کی توضیح یہ ہے کہ حضرت علی خلیفہ برحق تھے ان کی بیعت واجب تھی جن لوگوں نے اس سے انکار کیا وہ باغی ہیں کیونکہ اللہ اور رسول سے لڑتے ہیں جن کے لئے قرآن میں صریح حکم قتل کا موجود ہے اس لئے معاویہ کی جماعت از روئے قرآن واجب القتل ہے۔ لہٰذا ان کے ساتھ مصالحت کرنے اور ان کے معاملہ میں اشخاص کو ثالث بنانے کے کیا معنی اور چونکہ حضرت علی اسی جرم کے مرتکب ہوئے کہ انھوں نے حکم قرآنی میں اشخاص کو ثالث بنایا اس لئے ان کی خلافت ناجائز ہے اور ان کی جماعت اور معاویہ کی جماعت دونوں یکساں ہیں۔

خوارج کی اس دلیل میں دراصل منطقی غلطی ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ جو لوگ اللہ اور رسول سے لڑتے ہیں ان کے لئے قرآن میں حد مقرر ہے بے شک صحیح ہے لیکن یہ امر کہ اہل شام اسی جرم کے مرتکب ہیں ثبوت کا محتاج ہے کیونکہ ان لوگوں کا دعویٰ خود حضرت علیؓ کی خلافت کے متعلق تھا کہ آیا وہ منعقد بھی ہوئی ہے یا نہیں اور یہ ایسا دعویٰ ہے کہ اس کے فیصلہ کے لئے کسی کو ثالث مقرر کرنا ناجائز نہیں ہو سکتا اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ

اشخاص کو اللہ کے حکم میں فیصلہ کا اختیار دیا گیا۔ کیونکہ ان کے ثالث ماننے کا منشا صرف اس قدر ہے کہ وہ متعین کر دیں کہ اللہ کا حکم ان پر صادق آتا ہے یا نہیں۔

باقی رہا خوارج کا یہ اعتراض کہ ثالث مان لینے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کو خود اپنی امامت میں شک تھا اور ایسے مشکوک امر میں ناحق انھوں نے مسلمانوں کی خونریزی کرائی تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ صاحب حق کا جب فریق ثانی انکار کرے تو اس کے لئے اپنے حق کے اثبات کے واسطے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ کسی عدالت کی طرف رجوع کرے۔

بہرصورت اس جدید جماعت یعنی خارجیوں نے بے بنیاد مقدمات ترتیب دیئے گر بالکل غلط نتیجہ نکالا اور امت کی مصیبت میں اور اضافہ کر دیا۔ اب مسلمانوں میں بجائے دو کے تین سیاسی فرقے ہو گئے۔ اور حضرت علی کو شامیوں کی بیرونی جماعت کے ساتھ خود اپنی جماعت کے ان اندرونی مخالفوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ یہ ان کے وہی شیعہ تھے جو کل تک ان کو افضل المسلین اور امیر المومنین تسلیم کرتے تھے اور آج ان کے خلاف جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔

فیصلہ ثالثی

جب رمضان کا مہینہ قریب آیا تو حضرت علیؓ نے ابو موسیٰ اشعری اور شریح بن ہانی کو چار سو آدمیوں کے ہمراہ مقام فیصلہ کی طرف روانہ کیا عبداللہ بن عباس اس قافلہ کے پیش نماز تھے۔

شام سے امیر معاویہ نے بھی عمرو بن عاص کو اسی قدر آدمیوں کے ساتھ بھیجا۔ یہ دونوں جماعتیں دومۃ الجندل کے قریب مقام اذرح میں مجتمع ہوئیں۔

امیر معاویہ کی طرف سے قاصد خطوط لے کر سلسلہ وار عمرو بن عاص کے پاس آیا کرتے تھے جن کے مضمون سے ان کے سوا کوئی دوسرا واقف نہیں ہوتا تھا۔ اور نہ پوچھتا تھا کہ کیا مراسلہ آیا ہے لیکن ادھر سے حضرت علی کا جب کوئی خط عبداللہ بن عباس کے پاس پہنچتا تو اہل عراق مجتمع ہو کر ان سے سوال کرتے کہ امیر المومنین نے کیا لکھا ہے اور پھر اس کو مشہور کرتے اگر وہ نہ بتاتے

تو طرح طرح کے قیاسات لڑاتے اور ان پر بحثیں کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس ان کے اس شور و شغب سے تنگ تھے۔

اس موقع پر رؤسائے امت میں سے حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبدالرحمن بن حارث مخزومی اور مغیرہ بن شعبہ موجود تھے۔

دونوں ثالثوں نے باہم مل کر مسئلہ زیر بحث پر گفتگو کی۔ جو کچھ تاریخی روائتیں اس گفتگو کے متعلق ہم تک پہنچی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

عمرو بن عاص۔ کیا آپ کو اس امر کا یقین ہے کہ حضرت عثمان مظلوم قتل ہوئے۔

ابو موسیٰ۔ بے شک۔

عمرو بن عاص۔ یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ ان کے قصاص کے ولی اور وارث معاویہ ہیں۔

ابو موسیٰ۔ ہاں۔

عمرو بن عاص۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے۔

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا — جو شخص ظلم سے مارا جائے اس کے ولی کو ہم نے صاحب اختیار کیا ہے۔

پھر آپ کو امیر معاویہ کے خلیفہ بنانے سے کیا شے مانع ہے۔ خاندان قریش میں ان کو جو شرف حاصل ہے وہ ظاہر ہے۔ اگر آپ کو یہ خیال ہو کہ اسلام کی ابتدائی کوششوں میں ان کا کوئی کارنامہ نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ خلیفہ مظلوم کے ولی ہیں۔ نیز سیاست میں ماہر، اور حسن تدبیر میں شہرۂ آفاق۔ ان سب پر مزید یہ کہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد صحابی اور کاتب وحی ہیں۔

یہ یقین رکھیے کہ اگر وہ خلیفہ ہو گئے تو آپ کے ساتھ ایسا سلوک کریں گے کہ کوئی دوسرا خلیفہ نہیں کر سکتا۔

ابو موسیٰ۔ عمرو! اللہ سے ڈرو۔ خلافت کے لئے دین اور تقویٰ کی فضیلت درکار ہے محض

خاندانی شرافت سے کام نہیں چلتا۔ علاوہ بریں اگر اسی پر نظر رکھی جائے تو خود حضرت علی قریش میں اس لحاظ سے سب سے افضل ہیں۔ ان کے سوا دوسرا کون خلیفہ ہو سکتا ہے۔ امیر معاویہ خلیفہ مقتول کے خون کے ولی ضرور ہیں لیکن امت کی ولایت کا استحقاق ان کو کہاں سے حاصل ہوا ابھی تک مہاجرین اولین موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے معاویہ خلیفہ نہیں ہو سکتے۔

تم نے ان کے سلوک کی طرف جو اشارہ کیا تو اس کے جواب میں قسم کھاتا ہوں۔ کہ اس وقت جو کچھ میرے پاس ہے وہ بھی اگر نکل جائے تب بھی میں ان کو خلیفہ نہیں بناؤں گا اور رشوت نہیں لوں گا۔ ہاں اگر تمھاری رائے ہو تو لاؤ حضرت عمر بن خطاب کے نام کو زندہ کریں اور ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر کو خلیفہ بنائیں۔

عمرو بن عاص۔ اگر آپ خلافت کے لئے عبداللہ بن عمر کو پسند کرتے ہیں تو میرے بیٹے عبداللہ کو کیوں منتخب نہیں فرماتے۔ اس کی فضیلت اور صلاحیت سے تو تمام امت واقف ہے۔

ابو موسیٰ۔ بے شک تمھارا بیٹا بھی اس کا مستحق ہو سکتا تھا۔ لیکن تم نے اس کو اس لڑائی میں شریک کر کے فتنہ میں آلودہ کر دیا۔

اس گفتگو سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دونوں پنچ اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ حضرت علی اور امیر معاویہ میں سے کسی کو خلافت نہ دی جائے لیکن کون خلیفہ ہو اس میں اختلاف تھا۔ بالآخر یہ طے پایا کہ اس امر کو امت پر چھوڑ دیا جائے وہ جس کو چاہے منتخب کرے۔

اب بجز اس کے اور کچھ باقی نہیں رہا کہ مجمع میں اس فیصلہ کا اعلان کر دیا جائے چنانچہ سب لوگ مجتمع ہوئے اور یہ دونوں ثالث وہاں گئے۔

عمرو بن عاص ابو موسیٰ کی بہت تعظیم کرتے تھے اور ہر بات میں ان کو مقدم رکھتے تھے۔ اعلان کے لئے بھی حسب معمول انھی کو کھڑا کیا انھوں نے کہا۔

جہاں تک ہم نے غور کیا امت کی فلاح کے لحاظ سے ہم کو یہی مناسب معلوم ہوتا ہے اور اسی پر میری اور عمرو بن عاص کی رائے متفق ہوئی کہ حضرت علی اور معاویہ دونوں کو

چھوڑ کر مسلمان جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کریں اس لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے ان دونوں کو معزول کیا اور امت کو اختیار دیتا ہوں کہ وہ جس کو مناسب سمجھے اپنا امیر بنائے۔

ان کے بعد عمرو بن عاص کھڑے ہوئے۔ اور کہا کہ

جو کچھ فیصلہ ہوا ہے وہ آپ لوگوں نے سن لیا۔ مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ حضرت علی کی معزولی سے میں بھی متفق ہوں لیکن معاویہ کو قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ خلیفہ مقتول کے ولی اور ان کی جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں۔

یہ سن کر ابوموسیٰ نے ان کی مخالفت کی اور دونوں میں باہم سخت کلامی ہوئی عام مورخوں کا بیان یہی ہے۔

لیکن مسعودی نے لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات نے زبانی نہیں اعلان کیا تھا بلکہ فیصلہ لکھا تھا جو مجمع میں سنایا گیا۔ اس میں حضرت علیؓ اور معاویہ دونوں کی معزولی بھی اور پنچوں میں باہم کوئی اختلاف نہیں واقع ہوا تھا۔

یہ روایت قرین قیاس ہے کیونکہ ثالثی نامہ جب لکھا گیا تھا اور شہادتیں قلمبند کی گئی تھیں تو فیصلہ زبانی ہونے کے کیا معنی۔

نتیجۂ فیصلہ

جس وقت اس ثالثی کا اقرار نامہ لکھا گیا تھا اسی وقت ہر عقلمند آدمی سمجھ سکتا تھا کہ اس کا کوئی مفید نتیجہ نہیں نکلے گا۔ کیونکہ شامیوں کا قرآن اٹھانا مصالحت کی غرض سے نہیں بلکہ بطور ایک جنگی تدبیر کے تھا ورنہ واقعی اگر ان کو فیصلہ منظور ہوتا تو قبل از جنگ جب سفیر دونوں طرف سے آتے جاتے تھے اور صلح کی گفتگو جاری تھی وہ کتاب اللہ کو پیش کرتے۔

دوسرا فریق بھی اس پر خوشی سے راضی نہیں ہوا تھا بلکہ مجبوراً اس کو تسلیم کرنا پڑا تھا اس لئے بالطبع ثالثی کا فیصلہ فریقین کے نزدیک زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔

حضرت علیؓ نے اس فیصلہ کو قرآن کے خلاف قرار دے کر نہیں تسلیم کیا لیکن امیر معاویہ خوشی

سے اس پر راضی ہوگئے کیونکہ کم سے کم اس کی مدد سے حضرت علی تو خلافت سے معزول کئے گئے تھے۔ اور امت کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ جس کو چاہے خلیفہ منتخب کر لے۔ اور وہ جانتے تھے کہ امت کا ایک بڑا حصہ میرے زیر اثر ہے اس لئے ان کو اپنے خلیفہ ہونے کی امید قوی ہو گئی۔

حضرت علی نے چاہا کہ اہل شام پر لشکر کشی کریں۔ لیکن خوارج کا معاملہ بیچ میں سد راہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب انھوں نے شریح بن ہانی کو فیصلہ ثالثی کے موقع پر ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا تو خارجیوں نے مخالفت کی۔ وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ثالثی کے معاملہ کو جو ہم نے کفر سمجھا ہے تو حضرت علی بھی اس میں ہمارے ہم خیال ہیں لیکن اس جماعت کے بھیجنے سے ان کو یقین ہو گیا کہ وہ مخالف ہیں اسی لئے شورش پر آمادہ ہو گئے۔ عبداللہ بن وہب کے مکان میں مجتمع ہو کر اس کو اپنا امیر بنایا اور یہ طے کیا کہ ہم اس شہر کو جہاں کے لوگ ظالم ہیں چھوڑ کر باہر نکل چلیں۔ چنانچہ متفرق طور پر نکلے اور جسر نہروان پر سب کے سب مجتمع ہو گئے وہاں سے بصرہ وغیرہ دوسرے مقامات کے لوگوں کو بھی اپنے خروج کی اطلاع دی۔

کوفہ کے بقیہ لوگوں نے حضرت علی کے پاس آکر کہا کہ ہم آپ کے مطیع ہیں جو حکم دیں گے اسی کے مطابق عمل کریں گے۔ حضرت علی نے ان کے سامنے تقریر فرمائی اور کہا کہ پنچوں نے فیصلہ قرآن کے خلاف کیا۔ اب تم لوگ شام کی روانگی کے لئے تیار ہو جاؤ۔

اس کے بعد خوارج کو لکھا کہ تم بھی ہماری جماعت میں آجاؤ۔ انھوں نے جواب دیا کہ یہ لڑائی آپ اپنی ذات کے لئے لڑنا چاہتے ہیں نہ کہ حق کے لئے۔ اس لئے ہم اس میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اس جواب سے ان کی طرف سے مایوسی ہو گئی چاہا کہ ان کو ان کی حالت پر چھوڑ کر شام کی طرف چلیں۔ کوفہ سے باہر نکل کر نخیلہ میں خیمہ زن ہوئے۔ والی بصرہ عبداللہ بن عباس اور امیر مدائن کو لکھا کہ وہ فوجیں بھیجیں۔ چنانچہ مختلف مقامات سے تقریباً ستر ہزار لشکر جمع ہوا۔

اس کے بعد خبر ملی کہ خوارج لوگوں کو اس فوج میں جانے سے روکتے ہیں۔ اور کئی آدمیوں کو انھوں نے قتل بھی کر ڈالا۔ حضرت علی نے ان کے پاس ایک قاصد بھیجا اس کو بھی

مارڈالا. امراء فوج نے کہا کہ اگر ان لوگوں کو یہاں چھوڑ کر ہم شام کی طرف روانہ ہو جائیں گے تو یہ ہمارے گھروں کو لوٹ لیں گے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ پہلے ان کا فیصلہ کر دیا جائے۔ حضرت علی نے ان کی رائے کو مناسب سمجھ کر اسی طرف رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر ان سے کہا کہ تمہاری جماعت کے جن لوگوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے ان کو ہمارے سپرد کر دو۔ دوسروں سے ہم کو سروکار نہیں۔ اس پر خارجیوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہم سب نے ان کو قتل کیا ہے اور ہم سب ان کے خون کو حلال سمجھتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے ہر چند ان کو نصیحت کی لیکن کچھ اثر نہ ہوا آخر حضرت ابو ایوب انصاری کو حکم دیا کہ امان کا جھنڈا لے کر کھڑے ہو جائیں۔ پھر اعلان کرا دیا کہ بجز ان لوگوں کے جنھوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے جو شخص اس جھنڈے کے نیچے آجائے گا یا کوفہ وغیرہ کسی شہر کی طرف چلا جائے گا اس کو امان ہے۔ خارجیوں میں سے بہت سے لوگ جھنڈے کے نیچے آ گئے اور کچھ لوگ کوفہ میں داخل ہو گئے۔ ابن وہب کے ساتھ صرف ۲۸۰۰ آدمی رہ گئے۔ ان کے ساتھ جنگ ہوئی ان میں سے اکثر مارے گئے چار سو زخمی ہوئے جو میدان میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کو حضرت علی نے اٹھوا کر ان کے رشتہ داروں کے سپرد کیا کہ کوفہ میں لے جا کر علاج کریں۔

اس فتح کے بعد شام کی روانگی کا حکم دیا۔ لیکن لوگوں نے کہا کہ ہمارے تیر اس لڑائی میں ختم ہو چکے تلواریں کند ہو گئیں اور نیزے خراب ہو گئے۔ چند روز قیام کیجئے تاکہ ہم اپنے اسلحہ ٹھیک کرالیں ممکن ہے کہ اس درمیان میں اور لوگ بھی آکر شریک ہو جائیں جن سے ہماری تعداد اور قوت میں اضافہ ہو جائے۔ حضرت علی واپس آکر مقام نخیلہ میں کچھ دنوں کے لئے ٹھہر گئے اور ساز و سامان کی تیاری کا حکم دیا۔

اہل عراق چھپ چھپ کر اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے آئے اور بجز رؤسا امراء فوج کے بہت کم لوگ وہاں رہ گئے یہ صورت دیکھ کر حضرت علی بھی کوفہ میں آگئے۔ امراء اور سرداران قبائل کو جمع کر کے شام کی لشکر کشی کے متعلق مشورہ لیا۔ ان میں سے بعضوں نے مخالفت کی۔

بعضوں نے بیماری کا عذر کیا اور کم لوگ تھے جنھوں نے خوشی سے رضامندی ظاہر کی۔

حضرت علیؓ روزانہ پرجوش خطبے سنا سنا کر اہل کوفہ کو ابھارتے تھے لیکن کچھ نتیجہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ زبان سے چلنے کا اقرار کر لیتے اور وقت پر گھروں میں بیٹھ جاتے تھے آخر جب دیکھا کہ یہ لوگ تیار نہیں ہوتے تو مایوس ہو کر شام کی لشکر کشی کا ارادہ ترک کر دیا۔

اہل شام کی حالت اس کے بالکل برعکس تھی۔ وہاں کی تمام فوج تابع فرمان اور یک دل اور یک زبان تھی۔

امیر معاویہ کی نظر میں اس وقت سب سے اہم مسئلہ مصر کا تھا حضرت عثمان کے قتل کے بعد محمد بن حذیفہ نے وہاں اپنا تسلط جما لیا تھا۔ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو انھوں نے آغاز ۳۶ھ میں قیس بن سعد کو جو ان کے خاص طرفداروں میں تھے مصر کا والی مقرر کیا قیس ایک بیدار مغز اور عقلمند امیر تھے۔ انھوں نے اہل مصر کو اپنے قابو میں کر لیا۔ البتہ ایک جماعت جس کے سردار مسلمہ بن مخلد انصاری تھے اور جو حضرت عثمان کے قصاص نہ لینے کی وجہ سے حضرت علی کی خلافت کو ناجائز سمجھتی تھی قیس کے خلاف ہو کر مقام خربتا میں آ کر مجتمع ہو گئی۔ قیس نے کہلا بھیجا کہ میں تم لوگوں کو بیعت پر مجبور نہیں کروں گا اور نہ تمہارے وظیفے بند کروں گا بشرطیکہ امن کے ساتھ رہو۔

امیر معاویہ مصر میں قیس کی موجودگی کو اپنے حق میں مضر سمجھتے تھے۔ ان کو یہ خطرہ تھا کہ اگر ایک طرف سے عراق کی فوجیں آ گئیں اور دوسری طرف سے مصر کی تو ہم بیچ میں پس جائیں گے اور دونوں سے مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے انھوں نے قیس کو اپنا طرفدار بنانے کے لئے ایک خط لکھا۔ ادھر سے حسب منشا جواب نہ آیا۔ پھر دوسرا خط بھیجا۔ قیس نے صاف لکھ دیا کہ مجھ سے کسی قسم کی توقع نہ رکھو۔

امیر معاویہ نے باوجود اس جواب کے پھر بھی اہل شام میں یہ مشہور کیا کہ قیس ہمارے حامی ہیں انھوں نے خطوط میں ہماری خیرخواہی کا اظہار کیا ہے تم لوگ ان کی طرف سے مطمئن رہو۔ دیکھو جو ہمارے حامی خربتا میں مقیم ہیں ان کے ساتھ انھوں نے کیسا اچھا برتاؤ کیا ہے

نہ ان پر کسی قسم کی سختی کی ہے نہ ان کے وظیفوں کو بند کیا ہے۔

جب اس خبر کا چرچا پھیلا تو شام میں حضرت علی کے جو جاسوس تھے انھوں نے ان کو اس سے مطلع کیا حضرت علی کے دل میں قیس کی طرف سے بدگمانی پیدا ہو گئی حکم لکھا کہ اہل خربتا سے جنگ کرو۔

قیس نے کہا کہ ان کی تعداد دس ہزار ہے۔ اور ان میں زیادہ تر اعیان و شرفاء مصر ہیں۔ میں نے جس طریقہ پر ان کو رکھ چھوڑا ہے یہی مناسب ہے اس میں کوئی ضرر نہیں اور جنگ کی صورت میں ایک فتنہ عام برپا ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ ایک تو خود وہ لوگ اس نیستان کے شیر ہیں۔ دوسرے معاویہ ان کی مدد کریں گے۔

حضرت علی نے ان کے عذر کو قبول نہیں کیا اور لڑنے کی تاکید لکھی۔ اس پر انھوں نے جواب دیا کہ اگر میرے اوپر کسی قسم کی بدگمانی ہے تو میں امارت چھوڑتا ہوں کسی دوسرے کو یہاں بھیج دیجیے چنانچہ محمد بن ابوبکر وہاں کے امیر بنائے گئے انھوں نے اہل خربتا کو لکھا کہ تم لوگ بیعت کر لو ورنہ ملک مصر سے نکل جاؤ وہ لوگ جنگ کے لئے تیار ہو گئے اسی دوران میں معرکہ صفین شروع ہو گیا۔ اس لئے دونوں فریق نتیجہ کے انتظار میں خاموش رہے۔ جب اہل خربتا کو صفین سے حضرت علی کی واپسی کا حال معلوم ہوا تو وہ محمد بن ابوبکر کے مقابلہ میں آ گئے اور مصری فوجوں کو شکست پر شکست دینی شروع کی۔ حضرت علی نے یہ حال دیکھ کر اشتر کو جو جزیرہ کے والی تھے مصر کی ولایت کا فرمان بھیجا۔ وہ روانہ ہوئے لیکن راستہ میں مقام قلزم میں پہنچ کر انتقال کر گئے اور مصر کی حکومت محمد بن ابوبکر ہی کے ہاتھ میں رہی۔

فیصلہ ثالثی کے بعد امیر معاویہ نے اہل شام سے اپنی خلافت کی بیعت لے لی۔ اس سے ان کی عظمت اور قوت بڑھ گئی۔ انھوں نے اہل خربتا کے سرداروں مسلمہ بن مخلد اور معاویہ بن خدیج وغیرہ کو لکھا کہ تم لوگ دل میں ہراس نہ لانا۔ میں تمھاری امداد کے لئے تیار ہوں۔ ان لوگوں نے لکھا کہ ہم مقابلہ میں جمے ہوئے ہیں۔ یہاں کا والی ہم سے خود خوف زدہ ہے لیکن مدد جلد بھیجیے۔ امیر معاویہ نے عمرو بن عاص فاتح مصر کو چھ ہزار فوج دے کر روانہ کیا وہاں پہنچ کر

انھوں نے محمد بن ابوبکر کو لکھا کہ بہتر یہ ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے ہاتھ سے تم کو کوئی صدمہ پہنچے لیکن وہ مقابلہ کے لئے نکلے اور شکست کھا کر کسی کے گھر میں چھپ رہے۔ معاویہ بن حدیج نے ان کو پکڑ لیا اور قتل کر ڈالا۔ بعض کہتے ہیں کہ آگ میں جلا دیا۔

محمد بن ابی بکر نے حضرت علی کو امداد کے لئے لکھا تھا۔ وہ بڑی کوشش سے کوفہ سے دو ہزار آدمی مصر جانے کے لئے آمادہ کر سکے جس وقت روانہ کیا اسی وقت محمد کے قتل کی خبر آگئی اس لئے راستہ سے واپس بلا لیا۔ حضرت علیؓ کو محمد کے قتل ہو جانے کا بہت صدمہ ہوا۔

مصر کے قبضہ نے امیر معاویہ کے حوصلہ کو بہت بڑھا دیا۔ اب انھوں نے ہر طرف اسلامی صوبوں پر قبضہ کرنے کے لئے اپنی فوجیں روانہ کرنی شروع کیں۔

نعمان بن بشیر کو عین التمر کی جانب بھیجا۔ وہاں کے والی مالک بن کعب نے حضرت علی سے امداد طلب کی۔ انھوں نے اہل کوفہ کو حکم دیا۔ لیکن کوئی نہیں گیا۔

سفیان بن عوف کو چھ ہزار فوج کے ساتھ انبار اور مدائن کی طرف روانہ کیا۔ وہ ان مقامات سے سارا مال و خراج جمع کر کے لے گئے۔ حضرت علی اطلاع پا کر تعاقب کے لئے نکلے لیکن وہ ہاتھ نہ آئے۔

عبداللہ بن مسعدہ کو تیما کی طرف بھیجا اور وہاں سے مکہ اور مدینہ جانے کا حکم دیا حضرت علیؓ نے ان کے مقابلہ کے لئے مسیّب کو روانہ کیا۔ تیما میں دونوں فریق میں جنگ ہوئی۔ آخر میں مسیّب نے ان کو بھاگنے کا موقع دے دیا اور ابن مسعدہ فوجیں نکال لے گئے۔

ضحاک بن قیس کو بصرہ اور بسر بن ارطاۃ کو تین ہزار فوج دے کر حجاز اور یمن کی طرف بھیجا۔ بسر نے آ کر مدینہ پر قبضہ کیا اور اہل مدینہ سے امیر معاویہ کی خلافت کی بیعت لی۔ پھر مکہ میں پہنچے۔ وہاں کے لوگوں نے بھی بیعت کر لی۔ اس کے بعد یمن کی طرف بڑھے عبیداللہ بن عباس والی یمن حضرت علی کے پاس کوفہ چلے آئے۔ بسر نے صنعاء پر قبضہ کیا اور اہل یمن سے بھی بیعت لے لی۔

بسر ایک خونریز آدمی تھا۔ اس نے عبیداللہ بن عباس کے دو کم سن بچوں کو جنھیں

وہ صنعاء میں چھوڑ گئے تھے قتل کر ڈالا۔

اس وقت اسلامی صوبوں کی اجمالی حالت یہی تھی۔ امت کا شیرازہ متفرق اور نظام ابتر تھا۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہوئی کہ عبداللہ بن عباس والی بصرہ بھی حضرت علی کی حمایت چھوڑ کر مکہ میں چلے آئے۔ کیونکہ ان کے اوپر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ انھوں نے بیت المال سے کچھ رقم لے لی ہے۔

ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ فیصلہ کے بعد سے حضرت علی دعائے نماز میں معاویہ اور ان کے ساتھیوں پر لعنت بھیجا کرتے تھے امیر معاویہ نے جب سنا تو وہ بھی حضرت علی اور ان کے ساتھیوں پر نماز کے بعد لعنت بھیجنے لگے یہاں تک کہ بنی امیہ میں اس کا دستور ہو گیا اور وہ جمعہ کے خطبوں میں بھی لعنت بھیجنے لگے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس رسم بد کو اپنے عہد میں مٹایا۔

ابن ملجم

عالم اسلامی کا یہ اضطراب دیکھ کر خوارج میں سے تین شخص عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر تمیمی باہم مل کر بیٹھے اور مشورہ کرنے لگے کہ اس مصیبت سے امت کی رہائی کی کیا صورت ہے۔ آخر میں انھوں نے طے کیا کہ حضرت علی امیر معاویہ اور عمرو بن عاص تینوں آدمی قتل کر دئے جائیں تو جھگڑا مٹ جائے۔ لہذا ہم میں سے ہر شخص ان میں سے ایک ایک کے قتل کا ذمہ لے۔ ابن ملجم نے حضرت علی کے قتل کا ذمہ لیا۔ عمرو بن بکر نے عمرو بن عاص کا اور برک نے امیر معاویہ کا۔ اور تینوں نے قسم کھائی کہ یا تو ہم ماریں گے یا مر جائیں گے۔ ۱۵ رمضان ۴۰ھ تاریخ مقرر ہوئی کہ اس روز حملہ کریں۔ ابن ملجم نے اپنے اس ارادہ کی اطلاع اپنے بھائیوں میں سے بھی کسی کو نہیں دی اور کوفہ میں آگیا۔ یہاں تیم رباب کے قبیلہ کے کچھ لوگ تھے جن کے دس آدمی نہروان کی لڑائی میں حضرت علی کی فوج نے قتل کئے تھے۔ ان مقتولین میں شحنہ اور اس کا بیٹا بھی تھا۔ شحنہ کی بیٹی قطام کوفہ میں تھی۔ ابن ملجم نے جو اسی قبیلہ میں ٹھہرا تھا جب اس کو دیکھا تو اس کے غیر معمولی حسن و جمال کی وجہ سے فریفتہ ہو گیا اور نکاح کا پیغام بھیجا قطام نے کہا

کہ اس شرط پر کہ پہلے مہر ادا کر دو۔ اس نے کہا کس قدر۔ کہا تین ہزار درہم۔ ایک لونڈی۔ ایک غلام اور حضرت علی کا سر۔ ابن ملجم نے منظور کیا اور کہا کہ میں اس شہر میں خاص اسی کام کے لئے آیا ہوں کہ حضرت علی کو قتل کر دوں۔ اگر تجھ کو منظور ہے کہ میں اس میں کامیاب ہوں تو کسی کے سامنے اس لفظ کو زبان پر نہ لانا۔ ورنہ راز فاش ہو جائے گا۔ اس نے کہا کہ میں کسی سے نہیں کہوں گی۔ تم اچانک پہنچ کر ان کو مار ڈالو اگر بچ گئے تو ہم دونوں آرام کی زندگی بسر کریں گے ورنہ آخرت کا عیش تمہارے لئے دنیا کے عیش سے بدرجہا بہتر ہو گا۔

قتل

ابن ملجم نے اپنے دوستوں میں سے ایک معتمد کو جو اس کو کام میں مدد دے سکے اپنا ہمراز بنایا قطام نے بھی اپنے قبیلہ کے ایک شخص کو اس کے ساتھ کر دیا جسب قرارداد ۱۵ رمضان کو مسجد میں جہاں حضرت علی نماز پڑھایا کرتے تھے جا کر گھات میں بیٹھ گئے۔ جب وہ فجر کی نماز پڑھانے کے لئے تشریف لائے ان کے سر پر تلوار ماری۔ حضرت علی نے حکم دیا کہ اس کو گرفتار کرو۔ لوگوں نے پکڑ لیا۔

زخم زیادہ کاری پڑا تھا تیسرے دن یوم شنبہ ۱۷ رمضان ۴۰ھ کو رحلت فرما گئے۔ آخری وقت میں لوگوں نے دریافت کیا کہ ہم آپ کے بعد امام حسن کو خلیفہ بنائیں۔ فرمایا کہ نہ میں تم کو حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔

وفات سے پہلے اپنی اولاد کو جمع کیا اور وصیت کی کہ اگر میں گذر جاؤں تو صرف قاتل سے قصاص لیا جائے۔ دوسرے لوگ نہ قتل کئے جائیں۔ اور قاتل کے بھی اعضاء نہ کاٹے جائیں کیونکہ اسلام میں دیوانے کتے کا بھی مُثلہ کرنا روا نہیں ہے۔

حضرت علیؓ کی مدت خلافت چار سال اور چند روز کم نو مہینے تھی۔

برک بن عبداللہ نے اسی تاریخ کو دمشق میں امیر معاویہ پر جب وہ مسجد کے دروازہ سے نکلنے لگے وار کیا لیکن ان کو خفیف زخم آیا جو چند روز علاج کرنے سے اچھا ہو گیا اس کے بعد سے انھوں نے مسجد میں مقصورہ بنوا لیا اور ہر وقت اپنے ساتھ محافظ رکھنے لگے۔ یہاں تک کہ جس وقت

نماز پڑھتے تھے۔ اس وقت بھی دونوں طرف دو سپاہی مسلح کھڑے رہتے تھے۔

عمرو بن عاص اس روز بیمار تھے۔ اس لئے اپنی بجائے خارجہ بن حذافہ کو نماز پڑھانے کے لئے بھیجا عمرو بن بکر جو گھات میں بیٹھا ہوا تھا سمجھا کہ یہی عمرو بن عاص ہیں اور انھیں کو قتل کر ڈالا۔

بیتِ علیؓ

حضرت علی نے نو نکاح کیے۔

(۱) فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سب سے پہلی بیوی تھیں جب تک یہ زندہ رہیں دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا۔ ان کے بطن سے دو بیٹے امام حسنؓ اور حسینؓ اور دو بیٹیاں زینب کبریٰ و ام کلثوم کبریٰ تھیں۔

(۲) ام البنین بنت حزام ان سے عباس۔ جعفر۔ عبد اللہ اور عثمان پیدا ہوئے۔

(۳) لیلیٰ بنت مسعود تمیمی۔ ان سے دو بیٹے عبد اللہ اور ابو بکر ہوئے۔

(۴) اسمار بنت عمیس۔ محمد اصغر کی والدہ ہیں۔

(۵) صہباء بنت ربیعہ۔ بنی تغلب کے اسیران جنگ میں آئی تھیں۔ ان سے عمر اور رقیہ دو بچے ہوئے۔

(۶) امامہ بنت ابی العاص یہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھیں ان سے محمد اوسط پیدا ہوئے۔

(۷) خولہ بنت جعفر الحنفیہ۔ ان سے محمد پیدا ہوئے جو اپنی ننہالی نسبت سے محمد بن الحنفیہ کے نام سے مشہور رہیں۔

(۸) ام سعید بنت عروہ بن مسعود۔ ان سے دو بیٹیاں ام الحسین اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں۔

(۹) محیاۃ بنت امرا القیس۔

ان کے علاوہ مختلف امہات ولد سے کئی بیٹیاں تھیں۔

ام ہانی میمونہ۔ زینب صغریٰ۔ رملہ صغریٰ۔ ام کلثوم صغریٰ۔ فاطمہ۔ امامہ۔ خدیجہ۔ ام الکرام

ام سلمہ۔ ام جعفر۔ جمانہ۔ اور نفیسہ۔

تمام اولاد میں سے صرف پانچ کی نسل چلی۔

حسن حسین۔ محمد بن حنفیہ۔ عباس اور عمر رضی اللہ عنہم۔

مناقب علیؓ

حضرت علی کرم اللہ وجہ کے صفات عالیہ میں نمایاں تر شجاعت ہے۔ بڑے بڑے سخت معرکے پیش آئے لیکن کبھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔ سب سے پہلے ان کی بہادری کا اظہار اس وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر ان کو اپنے بستر پر سلایا تھا۔ مکان کے باہر دشمن شمشیر بکف قتل کرنے کے لئے کھڑے تھے لیکن بے خوف وخطر سوتے رہے اس کے بعد غزوہ بدر اور خیبر کے کارناموں نے ان کو بہت مشہور کر دیا۔ بڑے بڑے جنگ آور ان کے سامنے آتے ہوئے لرزتے تھے لڑائیوں میں کبھی ان کو پروا نہیں ہوتی تھی کہ میں موت کی طرف جا رہا ہوں یا موت میری طرف آ رہی ہے۔

عہد رسالت کے بعد اگرچہ ۲۴ سال تک ان کی تلوار میان میں رہی لیکن جب پھر اپنے زمانہ خلافت میں اس کو باہر نکالا تو اس میں وہی کاٹ اور وہی روانی تھی۔

فقہ میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ فطرتی طور پر ان میں ہاشمی فہم و ذہانت تھی ہمیشہ آنحضرتؐ کی صحبت میں رہے۔ اور قرآنی تفقہ سیکھا۔ نیز دربار رسالت کے کاتب خصوصی تھے ان وجوہات سے احکام دینی کے استنباط صحیح کا بے نظیر ملکہ ان کے اندر پیدا ہو گیا تھا۔ خلفاء سابقین خاص کر عمرؓ ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور کسی دینی مسئلہ میں جب اختلاف واقع ہوتا تھا تو بیشتر انھیں کی رائے کی طرف رجوع کرتے تھے۔

فصاحت و بلاغت میں بھی بے مثل تھے۔ ان کے خطبات اور مکاتیب کا جو مجموعہ شریف مرتضیٰ نے نہج البلاغہ کے نام سے جمع کیا ہے اس کے دیکھنے سے یقین ہو جاتا ہے کہ در اصل وہ حکیم العرب اور آنحضرتؐ کے بعد سب سے زیادہ خوش بیان تھے۔

ان کے بعض بعض خطبے اور خطوط تو اس قدر لطیف و پُر معنی و دل نشین و حکمت آموز ہیں کہ ان کو انسانی فضل و کمال و گویائی و دانائی کی آخری حد کہہ سکتے ہیں۔

اسی طرح زہد ترک دنیا ایثار و رضا جوئی حق عبادت و ریاضت کمال حلم و حکمت جس بات پر ہم نظر ڈالتے ہیں وہ صحابہ میں ممتاز نظر آتے ہیں۔

اسباب مخالفت

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بات تھی کہ حضرت ابوبکر اور عمر جو خاندان رسالت سے کوئی قریبی تعلق نہیں رکھتے تھے ان کی تو امت نے کامل وفاداری کے ساتھ اطاعت کی اور متفق و متحد ہو کر ان کے اشاروں پر چلتی رہی لیکن حضرت علی کے عہد میں جو آنحضرت کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے اور خود بھی صفات عالیہ میں ممتاز تھے مخالفت کے لئے آمادہ ہو گئے۔

اس سوال کا جواب ان کے عہد کے حالات پڑھنے سے جن کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں مل سکتا ہے۔ لیکن اجمالی طور پر مخالفت کے اسباب یہاں بھی بیان کر دیتے ہیں۔

(۱) حضرت علیؓ اپنی خصوصیات اور قرابت رسول کی وجہ سے خلافت کو خاص اپنا حق سمجھتے تھے اور اس امر کو بار بار اپنی تقریروں میں ظاہر بھی کیا کرتے تھے اور انسانی طبیعت کا یہ خاصہ ہے کہ جو شخص اپنے تفوق کا اظہار کرے اس کی طرف اس کا میلان نہیں ہوتا۔ لوگ تو بالطبع اس کی طرف جھکتے ہیں جو حضرت ابوبکر کی طرح یہ کہے کہ:-

میں تمہارا امیر بنایا گیا ہوں لیکن تم سے بہتر نہیں ہوں۔

حضرت علی جو رائے کسی معاملہ میں رکھتے تھے اسی کو ٹھیک سمجھتے تھے اور اسی پر عمل کرتے تھے لوگوں کی مخالفت کی ان کو پرواہ نہیں ہوتی تھی مشورہ جو خلفاء سابقین کا دستور تھا ان کے عہد میں جاتا رہا چنانچہ ایک بار حضرت طلحہ اور زبیر نے بیعت کرنے کے بعد شکایت بھی کی کہ آپ نے ہمیں کسی کام میں شریک نہ کیا۔ نہ کسی معاملہ میں رائے لی۔ فرمایا کہ کون سا معاملہ میرے سامنے ایسا پیش ہوا کہ جس کی صحیح حقیقت سمجھنے سے میں قاصر رہا جو تم کو بلا کر مشورہ لیتا میرے لئے

کتاب وسنت کافی ہے۔ مجھے تمہاری یا کسی دوسرے کی مدد کی احتیاج نہیں ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ بڑے بڑے لوگوں کی طبیعتیں اس کو برداشت نہیں کرسکتیں۔

(۲) جس وقت وہ خلیفہ ہوئے سب سے پہلے والیان صوبہ کی معزدلی کا فرمان صادر کیا خیرخواہوں نے ہرچند اس کو ملتوی کرنے کی رائے دی لیکن نہیں قبول فرمایا۔ امراء نے خیال کیا کہ ان کی خلافت ہمارے لئے مصیبت ہوگی اس لئے سب کے سب ان کے مخالف ہوگئے۔

(۳) خلفاء سابقین کے ان فیصلوں کی جو ان کی رائے میں صحیح نہ تھے از سر نو اصلاح شروع کی حضرت عثمان نے جو اقطاع زمین لوگوں کو دئے تھے ان کو واپس لے لیا۔ عبیداللہ بن عمر کو جنھوں نے ہرمزان کو حضرت عمر کے قتل کی سازش کے شبہ میں مار ڈالا تھا اور جن کے مقدمہ کو حضرت عثمان نے ہرمزان کی دیت کو اپنے ذمے کرکے طے کردیا تھا۔ قصاص میں قتل کرنا چاہا۔ حالانکہ حضرت عثمان خلیفہ تھے ان کے فیصلہ کا احترام واجب تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عبیداللہ مدینہ سے بھاگ کر دمشق چلے گئے اور امیر معاویہ کی طرف سے صفین میں ان کے مقابل میں ایک فوج لے کر آئے۔

امیر معاویہ امراء فوج اور رؤسا و قبائل کے ساتھ مراعات و مدارات اور ان کی بہت سی باتوں سے چشم پوشی کرکے ان کو قابو میں رکھتے تھے لیکن حضرت علی ایک ایک جو کا حساب لیتے تھے اس سے بھی لوگوں کے دل برگشتہ ہوئے یہاں تک کہ خود ان کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ حالانکہ ایسے زمانہ میں منتفی چغلخور خیرخواہوں کے متعلق طرح طرح کی تہمتیں گھڑ کر مشہور کردیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ قیس بن سعد والی مصر اور عبداللہ بن عباس دونوں پر اسی قسم کے لوگوں نے اتہام لگادیا ہو۔

بے شک حضرت عمر بھی اپنے عمال سے سخت محاسبہ کیا کرتے تھے لیکن ان کی اور حضرت علی کی حالت میں بڑا فرق تھا۔ کیونکہ وہ جو کچھ کرتے تھے اس میں امت ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ اور یہ جو کچھ کرتے تھے اس میں امت کا زیادہ تر حصہ ان کے خلاف ہوتا تھا اس سے

کسی کو انکار نہیں کہ حضرت علیؓ امت کو حق پر چلانا چاہتے تھے لیکن اس سے پہلے دلوں پہ قابو حاصل کر لینا ضروری تھا۔

(۴) حضرت علیؓ کو جن لوگوں سے سابقہ پڑا تھا یعنی اہل عراق ان کو راہ راست پہ چلانے کے لئے ان پر سخت قابو رکھنے کی ضرورت تھی اور حضرت علی یہ کر نہیں سکتے تھے اس لئے کہ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہم نے ان کو خلیفہ بنایا ہے اور اسی وجہ سے ان کے اوپر حاوی ہو گئے تھے حضرت عثمان کو قتل کرنے کے بعد ان کے دلوں سے خلیفہ اور خلافت کی ہیبت بھی مٹ چکی تھی چنانچہ جنگ صفین میں شامیوں کے قرآن اٹھانے کے موقع پر ہر چند حضرت علی نے اہل عراق سے لڑائی جاری رکھنے کے لئے کہا لیکن انھوں نے قطعی انکار کر دیا اور ان کو حکم ماننے پر مجبور کر دیا بلکہ یہاں تک کہا کہ اگر آپ نہیں مانیں گے تو ہم آپ کے ساتھ بھی وہی کریں گے جو عثمان کے ساتھ کیا ہے۔

آخر میں یہ نوبت پہنچ گئی تھی کہ حضرت علی پکارتے تھے وہ نہیں سنتے تھے حکم دیتے تھے وہ نہیں مانتے تھے اسی وجہ سے مجبوراً شام کی لشکر کشی کا ارادہ ترک کرنا پڑا بلکہ وہی لوگ خود ان کے اعمال پر نکتہ چینیاں کرنے لگے۔ چنانچہ جب انھوں نے عبداللہ بن عباس کو بصرہ کا والی مقرر کیا تو عراقیوں نے کہا کہ حجاز کے والی قثم بن عباس، یمن کے عبیداللہ بن عباس، بصرہ کے عبداللہ بن عباس پھر ہم نے فضول حضرت عثمان کو قتل کیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی جماعت اور ایسی فوج سے کیا کام لے سکتے تھے۔ چنانچہ ایک روز خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ یہ تم لوگوں کی کاہلی کا نتیجہ ہے کہ قریش کہتے ہیں کہ علی بن ابی طالب اگرچہ مرد شجاع ہے لیکن فنون جنگ سے واقف نہیں۔ روز بروز عراقیوں کی نافرمانی بڑھتی گئی۔ حضرت علی ان سے تنگ آ کر دعا کرتے تھے کہ یا اللہ! مجھکو ان سے بہتر لوگوں میں پہنچا دے اور ان کے اوپر کسی ظالم کو مسلط کر دے۔ غالباً انھیں کی دعا کا یہ اثر پڑا کہ کوفہ ان کے بعد حوادث کا مرکز بن گیا اور ایسے ایسے سفاک اور خونریز حاکم وہاں آئے جنھوں نے اہل عراق کو ظلم و ستم کا تختہ مشق بنایا یہاں تک کہ وہ ویران ہو گیا۔

(۵) فرقہ خوارج جو انھی عراقیوں میں سے ایک جاہل اور باغی گروہ پیدا ہو گیا تھا اس نے

بھی حضرت علی کے راستہ میں بہت رکاوٹ ڈالی اور آخر میں اسی جماعت کے ایک سیاسی دیوانہ نے انھیں قتل بھی کر ڈالا۔ الغرض حضرت علی کی شخصیت بہ لحاظ اپنی بے نظیر خوبیوں کے اگرچہ جماعت صحابہ میں ممتاز تھی لیکن ان کا عہد خلافت اسباب مندرجہ بالا کے باعث خانہ جنگی اور شورش کا عہد ہو گیا۔ اسلامی طاقت اور شوکت کو نقصان پہنچا اور فتوحات کا سلسلہ یک قلم بند ہو گیا۔

امام حسنؓ

حضرت علیؓ کے بعد اہل عراق نے امام حسن کے ہاتھ پر بیعت کی امیر معاویہ فوجیں لے کر آ گئے عراقی پہلے ہی حملہ میں شکست کھا گئے امام حسن بھی زخمی ہو گئے اس وجہ سے انھوں نے صلح کی خواہش کی اور مصلحت عام کو پیش نظر رکھ کر مزید خونریزی سے کنارہ کش ہو گئے۔

امیر معاویہ نے ایک سادہ قرطاس دستخط کر کے ان کے پاس بھیج دیا کہ جو شرائط آپ چاہیں اس پر لکھ دیں۔ انھوں نے لکھا کہ اہل عراق کو امن عام دے دیا جائے گذشتہ لڑائیوں کے انتقام میں کسی کی گرفت نہ ہو۔ اہواز کا خراج مجھے ملتا رہے اور میرے بھائی حسین کو بیس لاکھ درہم سالانہ دئے جائیں۔ عطیہ اور صلہ میں بنی ہاشم دوسرے لوگوں سے مقدم رکھے جائیں۔ امیر معاویہ نے ان سب باتوں کو منظور کر لیا۔

امام حسینؓ نے امام حسن سے کہا کہ اس کے مقصد کو آپ نے مٹا کر معاویہ کے منصوبے کو پورا کیا۔ انھوں نے کہا کہ خاموش رہو۔ میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔

ربیع الاول ۴۱ھ میں یہ عہد نامہ مکمل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشنگوئی پوری ہوئی جو امام حسن کے بارے میں فرمائی تھی کہ

میرا یہ بیٹا سید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔

امام حسنؓ اور حسینؓ وغیرہ سب لوگوں نے امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور تفرقہ کے بعد پھر ساری امت ایک علم کے نیچے آ گئی اس لئے اس سال کو عام الجماعت کہتے ہیں۔

خلافتِ راشدہ

میں

مدنیتِ اسلام

جو زمانہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت سے شروع ہو کر امیر معاویہ کی بیعت عام تک ختم ہوتا ہے اور جس کی مدت تیس سال ہے تاریخ میں اس کو عہد خلفاء راشدین کہتے ہیں۔

اس عہد میں جو اسلامی مدنیت تھی اس پر ایک سرسری نظر ڈالنی ہم اس موقع پر مناسب سمجھتے ہیں۔ مدنیت سے ہماری مراد وہ نظام ہے جس پر امت اپنے اجتماعی امور میں کاربند ہوگی خواہ وہ امور اندرونی اصلاحوں سے تعلق رکھتے ہوں یا بیرونی جنگوں سے۔

خلافت

مدنیت کا سب سے پہلا مظہر خود اسلامی خلافت کا قیام تھا۔ رئیس امت کا لقب خلیفۂ رسول رکھا گیا لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے لئے بجائے خلیفہ کے امیر المومنین کا لفظ پسند کیا جس سے ان کے عہدے کے صحیح مفہوم اور جمہوریت دونوں کا اظہار ہوتا تھا۔ ان کے بعد سے یہی لفظ تمام خلفاء کے لئے مستعمل رہا۔

(خلافت دراصل دینی و دنیاوی ریاست ہے جس کی بنیاد دین پر رکھی گئی ہے اور اس کی غرض یہ ہے کہ اصول دین کے مطابق ہر قسم کی صلاح و فلاح کی طرف امت کی عملی رہنمائی کرے۔ اس لئے خلیفہ جب تک نصوص شرعیہ کے خلاف کوئی حکم نہ دے اس کی اطاعت واجب ہے۔

خلافت راشدہ میں تشریع کی بنیاد قرآن اور سنت پر تھی۔ اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آ جاتا جس کے بارے میں کوئی صریح حکم ان دونوں میں نہ ملتا تو امثال و نظائر پر قیاس کر کے اس کا حکم نکالتے تھے۔ خلیفہ استنباط مسائل میں دیگر علماء و مجتہدین سے کوئی خاص امتیاز نہیں رکھتا تھا)

بلکہ اکثر خود ان سے سوال کرتا یا اپنے اجتہاد میں مدد لیتا تھا۔ اگر کسی امر میں سب لوگ متفق ہو جاتے تو اس کا اتباع لازمی ہو جاتا۔ اسی کو اصطلاح فقہ میں اجماع کہتے ہیں اور اگر باہم اختلاف ہوتا تو خلیفہ ان میں سے کسی صورت کو ترجیح دے کر اس کے مطابق حکم دیتا تھا۔

الغرض خلیفہ کو کوئی تشریعی اختیار یا کوئی اس قسم کی دینی ریاست حاصل نہیں تھی کہ وہ جو چاہے حکم دے دے وہی مذہبی مسئلہ قرار پا جائے بلکہ وہ احکام دینی کو صرف نافذ کرنے کا مجاز تھا۔

انتخاب خلیفہ کی بنیاد شوریٰ پر تھی خلیفہ جو دوسرے کو اپنا ولی عہد بناتا تھا تو وہ بھی سب سے مشورہ لے کر بناتا تھا۔ اس لحاظ سے اسلامی خلافت دراصل ریاست جمہوری ہے صرف فرق یہ ہے کہ عام خیال کے مطابق رئیس اسلام یعنی خلیفہ کو قبیلہ قریش ہی سے ہونا چاہیے۔

خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے وقت اس سے شرط لی جاتی تھی کہ کتاب و سنت کے مطابق عمل کرے گا۔ حضرت عثمان کی بیعت میں سنت شیخین کا لفظ اور بڑھا دیا گیا لیکن یہ زیادتی حضرت علی کی بیعت میں حذف کر دی گئی۔

خلفاء اکثر امور میں اصحاب رائے سے مشورہ لیتے تھے حضرت عمر خصوصیت کے ساتھ اس کا زیادہ خیال رکھتے تھے وہ کل کاموں میں اعیان صحابہ حضرت عثمان، علی، عبد الرحمن بن عوف وغیرہ رضی اللہ عنہم سے رائے لیا کرتے تھے۔ عبد اللہ بن عباس اگرچہ کم سن تھے لیکن چونکہ عقل و فہم میں ممتاز تھے اس لئے ان کو بھی مشوروں میں شریک کر لیتے تھے۔ کبھی کبھی جب کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو تمام مسلمانوں کو جمع کر کے ان سے رائے لیتے۔ ہر شخص آزادی کے ساتھ جو اس کی سمجھ میں آتا تھا کہتا تھا۔

عام معاملات میں اگرچہ رجال شوریٰ خود ان کے منتخب کردہ ہوتے تھے لیکن کوئی دوسرا شخص بھی اگر مناسب رائے دے سکے تو اس کے لئے رکاوٹ نہ تھی۔

الغرض نظام خلافت میں جمہوریت اور مساوات کی پوری روح تھی اگر کچھ کمی تھی

تو صرف اس بات کی کہ یہ متعین نہ تھا کہ خلیفہ کے انتخاب کا حق کن لوگوں کو حاصل ہے ورنہ حضرت علی اور امیر معاویہ میں نزاع نہ واقع ہوتی۔ کیونکہ حضرت علی سمجھتے تھے کہ حق انتخاب صرف اہل مدینہ کو حاصل ہے۔ انہوں نے جب کسی کو منتخب کر لیا تو بیعت خلافت مکمل ہو گئی لیکن اہل شام کا خیال تھا کہ جب تک تمام امراء اور دیار و امصار کے اعیان و رؤساء بیعت نہ کر لیں اس وقت تک خلافت مسلم نہیں ہو سکتی۔

خلافت راشدہ میں شاہانہ تمکنت اور جاہ و جلال کی کوئی شان نہ تھی، عام لوگوں کی طرح خلیفہ بھی سڑکوں پر پیدل پھرتا تھا۔ نہ اس کے ساتھ محافظ ہوتے تھے نہ نقیب سب لوگ اس سے ملتے تھے اور سب سے وہ ملتا تھا۔ دوسرے مسلمانوں میں اور اس میں بجز عہدۂ خلافت کے اور کوئی امتیاز نہ تھا۔

صیغہ قضا

مقدمات کا فیصلہ قانون شرع کے مطابق خلیفہ کے فرائض میں سے تھا اس لئے خلفاء اس کام کے واسطے خود اپنی طرف سے نائب مقرر کرتے تھے۔

خلیفہ اول کے عہد میں ہر شہر کا جو عامل ہوتا وہی فصل خصومات کی خدمت بھی انجام دیتا لیکن عہد فاروقی میں محکمہ قضا ایک جداگانہ مستقل صیغہ قرار دیا گیا اس کو انتظامی امور سے کوئی تعلق نہ تھا قاضیوں کو بیت المال سے تنخواہ دی جاتی تھی اور تجارت وغیرہ کرنے کی ممانعت تھی۔

ان تمام قاضیوں میں سے جو اس عہد میں مقرر ہوئے تھے کسی ایک کے بارے میں بھی یہ نہیں سنا گیا کہ اس نے کسی مقدمہ میں رو رعایت کی ہو یا انصاف کا خیال نہ رکھا ہو ان کی نگاہوں میں ادنیٰ اور اعلیٰ رعیت اور خلیفہ سب برابر تھے۔

یہ قضاۃ مجتہد مطلق نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کا کام یہ تھا کہ قانون شرعی کو اچھی طرح سمجھ کر جن واقعات اور حوادث میں کوئی صریحی حکم نہ ملے نظائر و امثال پر قیاس کر کے ان کا فیصلہ کریں یعنی قواعد کلیہ کا استنباط کر کے ان سے جزئی احکام نکالیں۔

قاضیوں کے علاوہ ہر شہر میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی پیدا ہوگئی تھی جو قوانین شرعیہ سے استنباط احکام کا تفقہ حاصل کرتی تھی۔ قاضی مشکل امور میں اس جماعت سے بھی مدد لیتے تھے۔

سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ اس زمانہ تک احادیث رسول مدون نہیں ہوئی تھیں صحابہ متفرق دیار و امصار میں تھے۔ اور ایک کے پاس جو حدیثیں تھیں وہ دوسرے کے پاس نہیں تھیں۔ اس لئے قاضیوں کے فیصلے ایک ہی قسم کے معاملات میں باہم مختلف ہوتے تھے کسی کو کوئی حدیث مل جاتی تھی اس کے مطابق فیصلہ کر دیتا تھا اور کسی کو اس کا علم نہیں ہوتا تھا وہ استنباط اور اجتہاد سے کام لے کر دوسرے نتیجہ پر پہنچتا تھا۔

(جہاں تک ہم کو معلوم ہو سکا ان فیصلوں کا اندراج کسی دفتر میں نہیں ہوتا تھا نہ فریقین کو اس کی باقاعدہ نقل دی جاتی تھی اور نہ ان کی تنفیذ و اجراء کے لئے کوئی طاقت استعمال میں لائی جاتی تھی بلکہ قاضی جو حکم دیتا تھا محکوم علیہ فوراً تعمیل کر دیتا تھا)

اس زمانہ میں فریقین کی حیثیت مستفسر سے زیادہ نہیں ہوتی تھی جب انکو اپنے معاملہ میں شرعی حکم قاضی کی عدالت سے معلوم ہوجاتا تھا تو وہ خود اس کے مطابق کاربند ہو جاتے تھے۔

(قصاص اور حد کا اجراء خود خلیفہ یا امراء صوبہ کے اختیار میں تھا۔ قضاۃ کو اس سے تعلق نہ تھا۔)

(یہ قضاۃ صرف بڑے بڑے شہروں میں تھے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس عہد میں باہمی تنازعات بہت کم ہوتے تھے۔

کوفہ میں حضرت عمر نے شریح بن حارث کندی کو قاضی مقرر کیا تھا جو متواتر ۷۰ سال تک اپنے عہدہ پر رہے۔ ابن زبیر کی لڑائیوں کے دوران میں صرف تین سال معطل رہے تھے۔ اسلامی قضاۃ میں یہ نہایت نامور اور مشہور ہیں۔ مدینہ کے سب سے پہلے قاضی حضرت ابو درداء اور مصر کے قیس بن ابی العاص تھے۔

حضرت عمر نے عبداللہ بن قیس کو اصول عدالت پر ایک ہدایت نامہ لکھکر بھیجا تھا جس کا

ترجمہ یہ ہے :-

(عدالت فرض محکم اور سنت رسول ہے۔ اجلاس میں فریقین کو اپنے سامنے مساوی رکھو تاکہ جو ادنیٰ ہو وہ تمہارے عدل سے ناامید اور جو اعلیٰ ہو وہ تمہاری رعایت کا امیدوار ہو جائے ثبوت مدعی کے ذمہ ہے اور (وہ ثبوت نہ لائے تو) قسم مدعا علیہ پر مصالحت جائز ہے لیکن ایسی کہ جس سے حلال حرام اور حرام حلال نہ ہونے پائے جو فیصلہ تم نے کیا ہے غور کرنے سے اگر حق کے خلاف نظر آئے تو اس سے رجوع کر ڈالو جس معاملہ میں خلجان ہو اور وہ کتاب و سنت میں نہ ملے تو خوب غور کرو اس کے نظائر کو دیکھو۔ پھر انہی پہ قیاس کرلو۔ مدعی کو ثبوت کے لئے ایک مدت معینہ کی مہلت دو۔ اگر وہ ثبوت لائے تو اس کا حق دلاؤ ورنہ اس کے خلاف فیصلہ کرو تمام مسلمان ایک دوسرے پر شہادت کے لئے قابل اعتبار ہیں۔ بجز ان لوگوں کے جنہوں نے حد شرعی میں درے کھائے ہوں یا جھوٹی شہادت میں ان کا تجربہ ہو چکا ہو یا ولا اور وراثت کے معاملہ میں مشتبہ ہوں)

اس مکتوب کو عام طور پر اس عہد کے قاضیوں نے اپنا دستور العمل بنا رکھا تھا۔

حضرت عثمان رض کے عہد میں مدینہ کے قاضی زید بن ثابت مقرر ہوئے اور وہاں دار القضا بنایا گیا اس سے پہلے بیشتر مسجد میں مقدمات فیصل کئے جاتے تھے۔

فوج

خلیفہ اول کے عہد میں کوئی فوج رضاکار تھی نہ ان کے نام کسی دفتر میں مندرج تھے نہ ان کو تنخواہ دی جاتی تھی۔ صرف مال غنیمت کے چار حصے ملتے تھے۔ امراء لشکر اسی میں سے حصہ رسدی کے مطابق ہر سپاہی کو تقسیم کرتے تھے۔ جو شخص کوئی نمایاں کام کرتا اس کو خاص انعام بھی دیا جاتا علاوہ بریں جو مجاہد کسی کافر کو قتل کرتا اس کو مقتول کا ساز و سامان ملتا۔

حضرت عمر رض نے اپنے عہد میں فوج کا دفتر مرتب کرایا اور بیت المال سے مجاہدین کی تنخواہ مقرر کی۔ اسلامی فضیلت کے لحاظ سے تنخواہیں مختلف رکھی گئیں۔ طبقہ اول میں اہل بدر

تھے جن کی تنخواہیں سالانہ پانچ ہزار درہم تھیں حضرت عمر بھی چونکہ بدری تھے۔ اس لئے یہی تنخواہ ان کی بھی تھی پھر شرکا رجنگ احد تھے جو چار ہزار درہم پاتے تھے اسی طرح درجہ بدرجہ کم ہوتے ہوتے معمولی سپاہی کی تنخواہ دو سو سے تین سو درہم سالانہ تک تھی تنخواہوں میں اضافے بھی ہوتے تھے۔

مجاہدین کے اہل و عیال کی بھی تنخواہیں مقرر تھیں اور ان میں بھی مراتب کے لحاظ سے اختلاف تھا البتہ غلام اور آقا میں کوئی فرق نہیں تھا جس طبقہ کا غلام ہوتا اسی طبقہ کے آقاؤں کی تنخواہ اس کو بھی دی جاتی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں یہ اختلاف اٹھا دیا گیا اور کل مجاہدین کی تنخواہ خواہ وہ کسی طبقہ کے ہوں برابر کر دی گئی۔

فوج عہد فاروقی میں دمشق حمص فلسطین اردن موصل فسطاط بصرہ اور کوفہ صدر فوجی مقامات قرار دیے گئے۔ ان میں کثیر التعداد فوجیں رکھی جاتی تھیں۔ نیز ان آٹھوں مقامات پر چار چار ہزار گھوڑے ہمیشہ تیار رہتے تھے کہ فوری ضروریات پر رسالے مرتب ہو سکیں سرحدوں پر خاص کر شام اور مصر کے سواحل پر حفاظت کے لئے فوجی دستے رہتے تھے جو بیشتر اس نواح کے صدر مقام سے باری باری بھیجے جاتے تھے۔ سپاہیوں کو بقدر ضرورت سامان خوراک دیا جاتا تھا اور چھاؤنیوں میں رسد کا ذخیرہ ہر وقت موجود رہتا تھا۔

فوج میں تمام عربی قبائل کے لوگوں کے نام مندرج کئے گئے تھے ان کے علاوہ دیگر اقوام کے مسلمانوں کے نام بھی مندرج ہوتے تھے۔ ہر دس آدمیوں پر ایک عریف رہتا تھا جو ان کی شناخت رکھتا تھا اور ان کو تنخواہ دلاتا تھا۔

ہر سال تقریباً تیس ہزار جدید فوج بھرتی ہوتی تھی اور یہ سارا انتظام اس قدر مرتب تھا کہ یہ ناممکن تھا کہ بروقت ضرورت کوئی شخص اپنے گھر بیٹھا رہے اور خلیفہ کو اس کا علم نہ ہو جائے حضرت عمر ایسے لوگوں کو قبیلہ کی مسجد یا مجمع عام میں کھڑا کر کے یہ کہتے تھے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے جہاد سے جان چرائی یہ سزا ان کے لئے قتل سے بھی بڑھ کر تھی کیونکہ عرب کے نزدیک بزدلی سے زیادہ کوئی

بدنامی نہیں تھی۔

فوج کے ساتھ قاضی معلم، ترجمان اور معالج وغیرہ بھی رکھے جاتے تھے نیز راستہ نکالنے اور پل باندھنے کا سامان بھی رہتا تھا خلیفہ کا حکم تھا کہ فوج سفر میں ہو تو جمعہ کے دن ضرور قیام کرے تاکہ لوگ تازہ دم ہو جائیں اور اپنے ہتھیاروں اور کپڑوں کو درست کرلیں۔ ہر روز صرف اتنی ہی مسافت طے کریں کہ ماندہ نہ ہونے پائیں۔ ان سپاہیوں کو جو کسی مہم پر بھیجے جاتے تھے بیشتر چار مہینے کے اور گھر آنے کے لئے ایک مدت معینہ کی رخصت ملتی تھی۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں امیر معاویہ کے مشورہ سے بحری فوج بھی تیار کی گئی اور مسلمانوں کے پاس سمندر میں ایسی قوت ہو گئی کہ کئی بار رومیوں کو شکست دی اور جزیرہ قبرص وغیرہ فتح کرلیا۔

عربوں میں جنگ کا پرانا دستور یہ تھا کہ دشمن کے سامنے کبھی بے ترتیب اور کبھی صف بندی کر کے کھڑے ہو جاتے تھے پھر دونوں طرف سے ایک ایک یا دو دو آدمی نکل کر لڑتے تھے اس کے بعد عام حملہ کرتے تھے پھر بھاگتے تھے اور پھر پلٹتے تھے چونکہ متمدن اقوام کے مقابلہ میں یہ طریق جنگ کارآمد نہ تھا اس لئے حضرت خالد نے جو ایرانیوں اور رومیوں کے ساتھ لڑتے لڑتے ان کے اصول جنگ اور صف آرائی کو اچھی طرح سمجھ گئے تھے اس کو چھوڑ کر جنگ یرموک میں انہی کی روش کے مطابق اپنی فوجوں کو مرتب کیا۔ اس وقت سے تمام اسلامی امراء انہی اصولوں پر فوجوں کو ترتیب دینے لگے۔ سب سے پہلے مقدمہ لشکر ہوتا تھا جو جنگ شروع کرتا تھا، دائیں میمنہ بائیں میسرہ اور بیچ میں قلب جہاں سر لشکر رہتا تھا، پیچھے ساقہ ان میں سے بھی ہر ایک حصہ مختلف دستوں میں تقسیم رہتا تھا اور ان کے الگ الگ امراء ہوتے تھے جو سپہ سالار کے حکم کے مطابق اپنے دستہ کو حرکت میں لاتے تھے کوئی سپاہی نہ اپنی صف سے آگے بڑھتا نہ پیچھے ہٹتا تھا۔

عربی امراء اپنے خط رجعت کی حفاظت کا خاص اہتمام رکھتے تھے تاکہ دشمن پیچھے سے نہ آپڑے اور جاسوسی کا انتظام اس قدر مکمل رکھتے تھے کہ غنیم کی کوئی بات ان سے چھپی ہوئی نہیں رہ سکتی تھی۔

محاصل:۔ حضرت عمرؓ کے عہد سے صیغہ خراج کے عمال جدا گانہ مقرر کئے جانے لگے۔ جو

رقم وصول ہوتی تھی اس سے فوج کی تنخواہ اور صوبہ کے اخراجات ادا کیے جاتے تھے باقی دارالخلافہ میں بھیج دی جاتی تھی محصول کی دو قسمیں تھیں مستقل اور غیر مستقل مستقل آمدنی خراج، زکوٰۃ اور جزیہ تھی اور غیر مستقل غنیمت اور عشور۔

خراج :۔ اس زمین کے لگان کا نام ہے جس کو مسلمانوں نے فتح کر کے خود وہاں کے باشندوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا ہو۔ یہ لگان اس زمین کے کرایہ کے طور پر لیا جاتا تھا۔ کبھی رقم معین کر دی جاتی تھی اور کبھی پیداوار کا کوئی حصہ لیا جاتا تھا۔

زکوٰۃ :۔ اس محصول کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کی زمین یا مویشی یا نقدی وغیرہ پر لیا جاتا ہے جس کی تصریح کتب فقہ میں کر دی گئی ہے مسلمانوں کے پاس جو زمین ہوتی تھی اس پر عشر لیا جاتا تھا یعنی ہر فصل کی پیداوار کا دسواں حصہ اور اگر خراجی زمین ان کے قبضہ میں آ جاتی تھی تو اس کی ان سے وہی خراجی لگان لیا جاتا تھا۔

عہد فاروقی میں حضرت عثمان بن حنیف جو مساحت کے کام سے واقف تھے۔ عراق کی پیمائش کے لئے بھیجے گئے انہوں نے کل عراق کی پیمائش کی۔ حضرت عمرؓ نے تشخیص لگان میں خود عراقی کاشتکاروں سے مشورہ لے کر لیاقت وار خفیف شرح مقرر کی۔

جزیہ وہ رقم تھی جو اہل ذمہ سے لی جاتی تھی یہ صرف ان مردوں سے وصول کی جاتی تھی جو ۲۰ برس سے ۵۰ برس کی عمر تک کے ہوتے تھے بشرطیکہ وہ اپاہج اور معذور نہ ہوں۔ بوڑھے بچے اور عورتیں اس سے مستثنیٰ تھیں۔ اس کی شرح اشخاص کی حالت کے مطابق رکھی جاتی تھی زیادہ سے زیادہ فی کس ۴۸ درہم سالانہ اور کم سے کم ۱۲ درہم۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں زکوٰۃ کا نکالنا خود مسلمانوں کے سپرد کر دیا گیا حالانکہ اس کی تحصیل خود امام کا فرض تھا۔

عشور :۔ مسلمان تاجر جب دوسری سلطنتوں میں اپنا مال لے جاتے تھے تو وہاں ان سے چنگی لی جاتی تھی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اس کی کیفیت سے حضرت عمر کو مطلع کیا۔ انہوں نے

حکم دیا کہ جس حساب سے غیر سلطنتیں ہمارے تاجروں سے چنگی وصول کریں اسی حساب سے تم ان کے تاجروں سے لو لیکن دو سو درہم سے کم کے مال پر کچھ نہ لیا جائے۔

زیاد بن حدیر اس صیغہ کے نگراں مقرر کئے گئے۔ ایک بار قبیلہ بنی تغلب کا ایک نصرانی تاجر گھوڑا لے کر آیا جس کی قیمت بیس ہزار درہم تھی زیاد نے اس سے ایک ہزار درہم چنگی لی۔ اسی سال دوبارہ اسی گھوڑے کو لے کر گذرا تو انھوں نے پھر ایک ہزار درہم طلب کئے اس نے کہا کہ ایک بار اس کی چنگی آپ لے چکے ہیں اب ہر بار میں کہاں تک ادا کروں گا لیکن زیاد نے اس کو گذرنے نہیں دیا۔ وہ حضرت عمر کے پاس شکایت لایا۔ حج کے موقع پر مکہ میں جا کر ان سے ملا اور اپنا معاملہ سنایا انھوں نے جواب دیا کہ میں بندوبست کر دوں گا۔ تغلبی نے اس کو ایک سرسری بات سمجھا۔ اور دل میں کہا کہ اب ایک ہزار درہم پھر دینا ہوگا لیکن جس وقت سرحد پر آیا تو وہاں خلیفہ کا حکم پہنچ چکا تھا کہ جس چیز پر ایک بار عشور لے لیا جائے سال آئندہ کی اسی تاریخ تک دوبارہ اس پر کچھ نہ لیا جائے وہ اس سے اس قدر خوش ہوا کہ زیاد سے کہا کہ میں دل میں طے کر کے آیا تھا کہ ایک ہزار درہم ادا کروں گا۔ اب اقرار کرتا ہوں کہ میں اسی شخص کے دین پر ہوں جس نے یہ حکم بھیجا ہے۔

مسلمانوں کے مال تجارت پر چنگی بقدر زکوٰۃ کے رکھی گئی یعنی چالیسواں حصہ ذمیوں پر اس سے دونی اور اہل حرب پر دہ یک۔

غنیمت مال ہے جو فوج کو دشمنوں سے حاصل ہوتا تھا۔ اس کے چار حصے فوج میں تقسیم کئے جاتے تھے اور ایک حصہ بیت المال میں آتا تھا

اس زمانہ کی مالیہ کی کل میزان کا پتہ نہیں لگ سکا صرف عراق اور مصر کی وصولی معلوم ہوئی۔ عہد فاروقی میں عراق سے دس کروڑ ۲۰ لاکھ درہم سالانہ کی آمدنی تھی اور مصر سے ۱۲ کروڑ درہم کی حضرت عثمان کے زمانہ میں مصر کی وصولی میں ۲ کروڑ درہم کا اور اضافہ ہو گیا تھا۔

اخراجات بہ حاصل کے مطابق رکھے جاتے تھے اور خزانہ میں کوئی توفیر نہیں رہتی تھی۔

نماز:۔ اقامت صلوٰۃ خلیفہ کے فرائض میں داخل تھی۔ وہ خود نماز پڑھاتا تھا یا کسی کو اپنا

نائب مقرر کر دیا تھا۔ ہر ہر شہر میں صرف ایک ہی جامع مسجد ہوتی تھی جس میں خلیفہ یا والی جمعہ پڑھاتا تھا بجز جامع مسجد کے دوسری مسجدوں میں منبر نہیں بنائے جاتے تھے۔

حج

اسلام کا ایک عظیم الشان رکن حج ہے جس میں حکم ہے کہ اطراف عالم سے مسلمان آکر میدان عرفات میں جمع ہوں۔

اس اجتماع کی غرض یہ ہے کہ چند مقررہ دنوں تک اللہ کا ذکر کریں اور اس کے نام پر قربانیاں چڑھائیں نیز آپس میں تعارف اور تعلق بڑھائیں اور ان کو یہ علم ہو کہ وہ اپنے غیر ممالک کے مسلمان بھائیوں سے کیا مدد لے سکتے ہیں یا کس طرح پر ان کی امداد کر سکتے ہیں۔ علاوہ بریں خلفاء و امراء ملکی اور انتظامی معاملات میں باہم مشورہ کریں اور رعایا کی شکایتیں، ضرورتیں اور خواہشیں ان کو معلوم ہوں۔ اسی طرح پر حج میں دینی اور اخروی فائدوں کے علاوہ دنیاوی اور ملکی منافع بھی بے شمار ہیں اور حرم مسلمانوں کا صرف دینی و مذہبی ہی نہیں بلکہ قومی و ملی مرکز بھی ہے۔

خلافت راشدہ میں امراء ممالک حج کے موقع پر مکہ میں آتے تھے بیشتر خود خلیفہ وقت امیر الحج ہوتا تھا اگر کسی وجہ سے وہ نہیں آسکتا تھا تو اپنے بجائے کسی کو قائم مقام کر کے بھیجتا تھا حضرت ابوبکرؓ اپنے عہد خلافت میں ایک بار خود تشریف لائے تھے اور دوسری بار حضرت عثمانؓ کو بھیجا تھا حضرت عمرؓ اس کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے۔ وہ ہر سال حج کو آتے رہے۔ صرف اپنی خلافت کے پہلے سال خود نہ آسکے تھے اس لئے عبدالرحمٰن بن عوف کو بھیجا تھا حضرت عثمانؓ بھی بجز ایک سال کے اپنے عہد خلافت میں کبھی حج سے غیر حاضر نہ رہے۔ البتہ حضرت علی اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے اپنے عہد خلافت میں کبھی نہ آسکے لیکن نائب بھیجتے رہے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں مسجد حرم بڑھائی گئی۔ انہوں نے بیت المقدس میں بھی مسجد تعمیر کرائی اس کے علاوہ کل ممالک اسلام میں ان کے عہد میں تقریباً چار ہزار مسجدیں بنائی گئیں۔ اسلامی مرکزوں میں امراء اور عمال کے لئے مکانات، فوجی چھاؤنیاں، مہمان خانے، دفاتر اور خزانے تعمیر ہوئے

مدینہ سے مکہ تک کا راستہ انھوں نے درست کرایا اور اس میں جابجا سرائیں بنوائیں۔ آبپاشی اور دیگر ضروریات کے لئے عراق میں متعدد نہریں نکلوائیں جن میں سے نہر ابی موسیٰ اور نہر سعد خاص طور پر مشہور تھیں۔ مصر میں دریائے نیل کو ۶۹ میل کھدوا کر بحر قلزم سے ملا دیا تاکہ کشتیوں کے ذریعہ سے غلہ مدینہ تک آسکے۔ اسی قدر فاصلہ بحر روم اور بحر قلزم میں تھا۔ عمرو بن عاص والی مصر نے خواہش کی کہ ان دونوں سمندروں کو بھی ملا دیں لیکن حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ رومی کشتیاں اس راستہ سے آکر عرب پر حملہ کرنے لگیں گی اجازت نہیں دی۔ ان کے حکم سے بصرہ، کوفہ، فسطاط، موصل اور جیزہ متعدد شہر بھی آباد کئے گئے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مسجد حرم اور مسجد نبوی میں اضافہ کیا گیا۔ مدینہ اور کوفہ وغیرہ میں ضیافت خانے قائم ہوئے اور جابجا راستے اور دریاؤں کے پل بنائے گئے۔ ملک شام میں جہازوں کی تعمیر کا کارخانہ قائم ہوا جہاں لبنان کے جنگلات سے درخت کاٹ کر پہنچائے جاتے تھے اور کشتیاں تیار ہوتی تھیں۔

تعلیم۔ قرآن مجید عہد رسالت میں تیئس سال تک تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت نازل ہوتا رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لکھواتے بھی تھے اور صحابہ کو زبانی یاد بھی کرا دیتے تھے چنانچہ آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو بہت سے صحابہ پورے قرآن کے حافظ اور سیکڑوں ایسے تھے جن کو زیادہ تر حصے یاد تھے یہ لوگ حفاظ اور قرار کہے جاتے تھے۔

مسیلمہ کذاب کی لڑائی میں تقریباً سات سو حفاظ اور قرا شہید ہو گئے۔ اس وقت حضرت عمرؓ نے سوچا کہ اگر اسی طرح حاملان قرآن ختم ہوتے چلے گئے تو قرآن محفوظ کس طرح رہے گا۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ قرآن پورا ایک جگہ لکھ کر محفوظ کر لیا جائے۔ انھوں نے حضرت زید بن ثابت کو جو کاتب وحی تھے اور اسی سال رمضان میں آنحضرتؐ کے ساتھ قرآن مجید کا آخری دور کر چکے تھے اس کام کے لئے منتخب فرمایا۔ حضرت زید نے ممتاز صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مل کر اس کی تمام سورتوں کو جو متفرق صحیفوں، تختیوں، کھجور کے پتوں اور اونٹ کی ہڈیوں پر لکھی ہوئی تھیں نہایت

احتیاط کے ساتھ قرطاس پر لکھ کر ایک شیرازہ میں جمع کر دیا یہ مصحف حضرت ابوبکر کے پاس رکھ دیا گیا۔

حضرت عمر کے عہد خلافت سے جابجا معلمین مقرر کئے گئے کہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں۔ اور کتابت سکھلائیں بعض بعض اہل علم صحابہ قرآن و سنت کی تعلیم کے لئے دیار و امصار میں بھیجے گئے اور بیت المال سے ان کی تنخواہیں مقرر کی گئیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حذیفہ بن یمان نے جو آذربیجان کی لڑائی میں شریک تھے جب نو مسلم اہل عجم کا قرآن سنا اور ان میں قرأت کے اختلافات دیکھے تو گھبرا کر عجلت کے ساتھ مدینہ میں آئے اور خلیفہ سے کہا کہ جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی اپنی آسمانی کتابوں میں اختلاف پیدا کر دئے ہیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں اسی طرح مسلمان بھی قرآن میں اختلافات نہ کر دیں۔ ابھی وقت ہے جلد خبر لیجئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہی مصحف جو ابوبکر کے عہد میں لکھا گیا تھا اور جس کو حضرت عمر اپنی وفات کے وقت اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کر گئے تھے منگایا اور زید بن ثابت عبداللہ بن زبیر سعید بن عاص اور عبدالرحمٰن بن حارث کو مقرر کیا کہ اس کو نقل کریں۔ زید بن ثابت کے سوا باقی تینوں شخص قریش میں سے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم لوگوں میں کسی لفظ کی کتابت میں اختلاف واقع ہو تو قریش کی زبان کی رو سے فیصلہ کرنا کیونکہ یہی زبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور اسی میں قرآن مجید اترا ہے۔ جب ان لوگوں نے متعدد نسخے لکھ لئے تو ہر ہر صوبے میں ایک ایک نسخہ بھیج دیا اور حکم لکھا کہ اسی کے موافق قرأت رکھی جائے۔

اصل نسخہ ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس بھیج دیا۔

تعلیم قرآن و سنت کا سلسلہ عہد عثمانی میں بھی بدستور رہا بلکہ زیادتی کے ساتھ جاری رہا معلمین کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ وہ صحت اعراب کا لحاظ رکھیں علاوہ بریں قرآن سمجھنے کے لئے عربی اشعار اور لغات کی بھی تعلیم دیں۔

ان کے عہد میں تفقہ قرآنی اور استنباط مسائل کا طریقہ لوگ مستند اور ممتاز صحابہ سے سیکھتے تھے۔

سکے:۔ عرب میں اسلام سے قبل سونے اور چاندی کے ایرانی اور رومی سکے رائج تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفۂ اول کے وقت میں یہی سکے چلتے رہے۔ جب ایران فتح ہوگیا تو ۱۸ھ میں حضرت عمرؓ کے حکم سے ایرانی سکہ کے نمونے پر مختلف درہم ڈھالے گئے، نقش میں تبدیلی کردی گئی کسی پر "الحمد للہ" کسی پر "لا الہ الا اللہ" کسی پر "محمد رسول اللہ" اور کسی پر صرف "عمر" تھا۔ حضرت عثمان کے عہد میں جو درہم ڈھالے گئے ان کا نقش "اللہ اکبر" تھا۔

اشاعتِ اسلام

خلافت راشدہ میں عموماً ہر مسلمان تعلیم نبوی کا صحیح نمونہ اور پیکرِ اسلام تھا اس لئے جہاں جہاں اہل اسلام پہنچے تھے لوگ نہ صرف ان کی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے بلکہ ان کے خلوص کو دیکھ کر اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے چنانچہ شام، مصر، عراق اور ایران کے باشندوں نے جب ان کے تقویٰ نیکی، وفاداری، حسن معاملت اور سب سے بڑھ کر مخلوق کی ہمدردی کو دیکھا تو دین اسلام کی خوبیوں کے قائل ہو کر اس کی طرف ٹوٹ پڑے اور کثرت سے مسلمان ہونے لگے۔

جنگ شام میں دمشق کا بطریق خود حضرت خالد کے ہاتھ پر اسلام لایا۔ اس کو دیکھ کر جو لوگ اس کے اثر میں تھے سب مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح مصر کا ایک رئیس شطا پہلے ہی سے اسلام کا گرویدہ تھا جب اسلامی فوج وہاں پہنچی تو وہ مع دو ہزار آدمیوں کے اسلام لایا۔

عراقی رئیسوں اور ایرانی مرزبانوں نے بھی تیزی سے اسلام کی طرف قدم بڑھایا۔ قادسیہ کے معرکے کے بعد چار ہزار دیلم ایک ساتھ مسلمان ہو گئے۔ جلولاء کی فتح کے بعد وہاں کے اکثر رؤساء اسلام لائے۔ حضرت عثمان کے عہد میں خراسان میں خاندان کے خاندان مسلمان ہونے لگے۔ اسی طرح افریقہ میں اسلام سرعت کے ساتھ پھیلا۔

الغرض یہ مسلمانوں کے خلوص اور ان کے اسلامی صفات کا اثر تھا کہ جہاں جہاں وہ گئے ان کو دیکھ کر لوگ اس دینِ حق کے نور سے منور ہوتے چلے گئے۔

تمام شد

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ

تاریخ الامّت

حصہ دوم

خلافت راشدہ

مصنفہ
مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری
استاد تاریخ اسلام جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

مکتبہ جامعہ دہلی
بار ششم ۱۰۰۰
قیمت